ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ

تفسیر

بیان السبحان

کا

پارہ نمبر ۸

وَلَوْ اَنَّنَا

فاضل اجل مفسر قرآن حضرت العلامہ مولانا سید عبد الدائم جلالی

toobaafoundation.com

مکتبہ دار الفرقان

دفتر ماہنامہ "آستانہ" پوسٹ بکس ۱۲۰۶

۱۵۶۵ سوئی والان ۔ نئی دہلی ۔ ۱۱۰۰۰۲

ہدیہ ——— ۶ روپے ۵۰ پیسے

آٹھواں پارہ

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا

اگر ہم اُن پر فرشتوں کو اُتار دیتے اور مُردے ان سے باتیں کرنے لگتے اور ہر چیز کو

عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ

اُن کے سامنے اکٹھا کر دیتے تب بھی بغیر مشیت خدا کے یہ ہرگز ایمان نہ لاتے بات یہ ہے کہ

اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ○

اکثر ان میں سے جہالت کرتے ہیں

تفسیر کفار نے رسول پاکؐ سے مختلف قسم کے معجزات صرف عناد و کٹ حجتی کے طور پر طلب کئے تھے۔ کبھی تو کہتے تھے کہ ہمارے پاس فرشتے اُتر کر کیوں نہیں آتے اور کیوں تمہاری نبوّت کی تصدیق خود آکر نہیں کرتے۔ کبھی کہتے کہ مناسب یہ ہے کہ ہمارے باپ دادا جو صدہا سال سے مر چکے ہیں وہ زندہ ہو کر آئیں اور گواہی دیں کہ یہ شخص رسول اللہ کا ہے یا قیامت ضرور ہو گی اور حشر نشر ہو گا۔ اسی قسم کے خرافات کہتے تھے۔ خدا تعالےٰ نے ان آیات میں اس تمام لغویات کا استیصال فرما دیا اور ارشاد فرمایا کہ:۔

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا اگر اُن کے پاس فرشتے بھی اُتر کر آجائیں اور مُردے بھی اُن سے باتیں کرنے لگیں اور ان کے سامنے تمام مری ہوئی چیزیں بھی زندہ ہو کر اکٹھی ہو جائیں یعنی بڑا سا بڑا معجزہ بھی ان کو دکھا دیا جائے: مَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ○ تب بھی یہ ایمان نہ لائیں گے۔ ہاں مشیتِ خدا ہی اُن کے مومن ہونے کی ہو تو خیر مگر ان میں سے اکثر اس بات سے ناواقف ہیں کہ ہدایت خدا کے ہاتھ میں ہے ان کو اس کا بالکل یقین نہیں۔

ضروری تحقیق قُبُلًا قبیل کی جمع ہے۔ گویا مطلب یہ ہوا کہ اگر ان کے پاس تمام گزشتہ امتیں جوق در جوق آجائیں اور رسول کی سچائی کی گواہی دیں تب بھی یہ ایمان نہ لائیں گے (مجاہد) ابن عباس قتادہ اور عبدالرحمٰن کے نزدیک قُبُلًا کے معنی ہیں مقابلہ اور معائنہ۔ اس صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ اگر ان کے سامنے کل چیزیں زندہ ہو کر آجائیں اور تصدیق رسالت کریں تب بھی نہ مانیں گے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ ممکن ہے قُبُل قبیل کی جمع ہو اور قبیل کے معنی ہیں مقابلہ و معائنہ مطلب یہ ہوا کہ اگر ہم ہر چیز کو محشور کر دیں اور وہ ذمہ داری کرے کہ انبیاء نے مابعد الموت کے متعلق جو خبریں دی ہیں وہ سب برحق ہیں تب بھی نہ مانیں گے۔ بیضاوی اور زمخشری وغیرہ نے یہی تفسیر کی ہے۔

مقصود بیان ناحق پرست گمراہوں کے لئے کوئی طریق ہدایت مفید نہیں۔ ہدایت اللہ کی مشیت پر موقوف ہے ہدایت حاصل کرنے کے لئے اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ اپنی قدرت، دانش اور علم پر زعم کرنا فضول ہے۔ حسب منشاء کفار کی خواہش کے مطابق ہر معجزہ کا ظاہر ہونا ضروری نہیں۔ وغیرہ۔

toobaafoundation.com

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينَ الْإِنسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ

اسی طرح ہم نے شریر آدمیوں کو اور جنوں کو ہر نبی کا دشمن کر دیا ہے کہ ایک دوسرے کو ملمع دار باتیں

إِلَىٰ بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا ۚ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوهُ ۖ فَذَرْهُمْ

فریب دینے کو سکھاتا رہتا ہے اگر تمہارا رب چاہتا تو یہ ایسا نہ کرتے سو ان کو چھوڑ دیجئے

وَمَا يَفْتَرُونَ ۝ وَلِتَصْغَىٰ إِلَيْهِ أَفْئِدَةُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ

اور ان کی افتراء پردازی اور تاکہ ان لوگوں کے دل جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اُس (شرارت) کی طرف مائل ہوں

وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوا مَا هُم مُّقْتَرِفُونَ ۝

اور اس کو وہ پسند کرتے رہیں اور جو بدکاریاں کر رہے ہیں کئے جائیں

تفسیر ان آیات میں رسولِ پاک کو تسکین و تسلی دی گئی ہے اور عام مسلمانوں کو شیاطین انس و جن کے فریب و اغواء سے بچنے کی تنبیہ فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينَ الْإِنسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا الخ

اے نبی تمہاری ہی طرح ہر نبی کے واسطے کچھ انسان اور کچھ جنات دشمن رہے ہیں۔ آپس میں یہ شیاطین ایک دوسرے کو بہکاتے اور ملمع کاری کی چکنی چپڑی باتیں کہہ کے اغواء کرتے ہیں۔ لہٰذا تم ان کی اس ملمع کاری کی کچھ پرواہ نہ کرو۔ ان سے اور ان کی افتراء پردازی سے تعلق نہ رکھو۔ ان کے اغواء کا اور کچھ اثر تو ہو نہیں سکتا صرف یہ اثر ضرور ہوگا کہ جو بے ایمان ہیں اُن کے دل ان کی طرف مائل ہوں گے اور ان کی ملمع کاری کو ایسے ہی لوگ پسند بھی کریں گے اور اس پر عمل کریں گے۔

تحقیق قتادہ کا قول ہے انسانوں میں سے بھی شیطان ہوتے ہیں اور جنات میں سے بھی۔ حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو نے شیاطین انس و جن سے پناہ مانگی؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آدمیوں میں بھی شیاطین ہیں؟ فرمایا ہاں بلکہ شیطان آدمی اصل شیطانوں سے زیادہ ضرر پہنچاتے ہیں (رواہ عبدالرزاق والامام احمد وابن مردویہ ابن جریر وابن ابی حاتم من طرق منقطعا وموصولا کما اوردہ الحافظ وذکران المجموع یفیدانہ حدیث صحیح) تفسیر مدارک میں ہے مالک بن دینار نے فرمایا کہ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھتا ہوں تو شیطان بھاگ جاتا ہے لیکن شیطان آدمی بہت سخت ہیں کہ میری آنکھوں کے سامنے آکر مجھے بہکاتے ہیں۔

مقصودِ بیان ہمیشہ سے حق کا دشمن باطل رہا ہے۔ داعیانِ حق کی مخالفت ہمیشہ باطل پرستوں نے کی ہے۔ آدمی بھی آدمی کا شیطان ہوتا ہے۔ بُری باتیں ملمع کاری کے ساتھ کہنا اور اس طرح بہکانا شیطان کا کام ہے۔ باطل اور دروغ و فریب کی طرف بے ایمانوں ہی کے دل مائل ہوتے ہیں۔ وغیرہ

toobaafoundation.com

أَفَغَيْرَ اللَّهِ أَبْتَغِي حَكَمًا وَهُوَ الَّذِي أَنزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا ۚ

(کہہ دو) کیا اللہ کے سوا کسی اور کو میں منصف بنانا چاہوں؟ حالانکہ اسی نے یہ واضح کتاب تمہاری طرف نازل کی

وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنَزَّلٌ مِّن رَّبِّكَ بِالْحَقِّ ۖ فَلَا

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ کتاب تمہارے رب کی طرف سے برحق نازل کی گئی ہے لہٰذا

تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ۝ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا ۚ

آپ شک کرنے والوں میں سے ہرگز نہ ہو جانا (اے محمد) سچائی اور انصاف میں تمہارے پروردگار کی بات پوری ہے

لَّا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝

اس کے کلام کو کوئی بدلنے والا نہیں وہی سننے والا اور جاننے والا ہے

تفسیر جب مشرکین قرآن کے دلائل کے مقابلہ میں لاجواب ہو گئے اور اپنے معبودوں کی معبودیت کا کسی طرح اثبات نہ کر سکے تو مجبوراً بول اٹھے کہ اچھا کوئی ثالث مقرر کر لیجیے۔ وہی جو کچھ فیصلہ کرے گا وہ ہم کو منظور ہوگا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ أَفَغَيْرَ اللَّهِ أَبْتَغِي حَكَمًا وَهُوَ الَّذِي أَنزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا ۝ اے رسول! تم ان سے کہہ دو کیا میں خدا کو چھوڑ کر کسی اور کو حَکَم مقرر کروں۔ حالانکہ خدا ہی نے مجھ پر کتاب نازل فرمائی اور کتاب بھی معمولی نہیں بلکہ وہ کتاب جس کے اندر اچھے برے، نیک بد، سعادت و شقاوت اور نجات و مواخذہ کے تمام احوال کھول کھول کر بیان کر دیئے اس کتاب کی حقانیت اول تو اسی سے ظاہر ہے کہ اس میں تمام عقائد حقہ اعمال صالحہ اور احکام صحیحہ کی تعلیم دی گئی ہے۔ نجات و عذاب کے اصول انتہائی سچائی کے ساتھ واضح طور پر بیان کر دیئے گئے ہیں گزشتہ واقعات کی تفصیل اور آئندہ پیدا ہونے والے امور کا اظہار نہایت صحیح طور پر کر دیا گیا۔ اگر خود دانش ہو تو سمجھ لو اور آنکھ ہو تو دیکھ لو پھر اگر خود اتنی بصیرت نہیں رکھتے ہو اور کسی کی شہادت کی ضرورت ہو تو اہلِ کتاب سے پوچھ لو (یعنی ان کی کتابیں اگرچہ مجموعہ صحیح و غلط ہو گئی ہیں اور صدہا تحریفات اُن کے اندر کر دی گئی ہیں لیکن اب تک اُن کے اندر قرآن کے برحق ہونے کے صدہا نشانات موجود ہیں۔ لہٰذا اُن کی کتابوں کی شہادت کا اعتبار کرو۔

الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنَزَّلٌ مِّن رَّبِّكَ بِالْحَقِّ اسی کی طرف اشارہ ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ۝ اے نبی! تم کسی طرح شک میں نہ پڑنا۔ اس کا مطلب دو طرح بیان کیا گیا ہے اول تو یہ کہ خطاب اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن روئے سخن امت کی طرف ہے۔ دوسرے یہ کہ جب گزشتہ کلام میں خدا تعالیٰ نے اہلِ کتاب کی شہادت کے اوپر اعتماد کرنے کی کافروں کو دعوت دی تھی اور رسولِ پاک کے پیشِ نظر اسرائیلی کتابیں نہ تھیں اس لئے فطرتِ انسانی کے اقتضاء کا لحاظ کرتے ہوئے یہ بات دل میں پیدا ہونی ممکن تھی کہ خدا جانے اہلِ کتاب کیا شہادت دیں گے اور ان کی کتابوں میں کیا لکھا ہے۔ اس شبہ کے ازالہ کے لئے ارشاد ہوتا ہے کہ تم ہرگز اس میں شک نہ کرنا کہ اہلِ کتاب قرآن کو کلامِ الٰہی جانتے ہیں۔ یعنی اہل کتاب کا یہ خیال یقینی ہے تم اس میں شک نہ کرنا۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا ۚ لَّا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ کلمۂ رب سے کیا مراد ہے؟۔ اس میں اختلاف ہے (۱) شرع کے احکام اور وعدہ وعید مراد ہے (۲) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ کلمۂ لا الٰہ الا اللہ مراد ہے۔ (رواہ البخاری و ابن مردویہ

toobaafoundation.com

ہیں ...... مراد ہے (۳) اس سے مراد قرآن ہے مطلب یہ ہے کہ قرآن پاک باعتبار سچائی کے و بلحاظ عدل کامل ہے جس طرح دیگر آسمانی کتابوں میں لوگوں نے تحریف کرلی ویسے قرآن پاک کی تحریف و تغیر پر کوئی قادر نہ ہوگا بلکہ یہ ہمیشہ محفوظ رہے گا۔ اول صورت میں لا مبدل لکلماتہ کا یہ مطلب ہوگا کہ خدا تعالیٰ کے وعدہ و وعید اور احکام کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ کتابِ الٰہی کے دو حصے ہوتے ہیں۔ ایک وہ حصہ جس میں گزشتہ لوگوں کے واقعات، آئندہ کے حالات (جنت و دوزخ اور حساب و کتاب کی تشریح) اور خدا تعالیٰ کی ذات و صفات کی توضیح ہوتی ہے۔ اس حصہ کا کمال درجہ یہ ہے کہ کل اخبارات ماضیہ اور واقعاتِ آئندہ کی پیشین گوئیاں سچی ہوں اور عقائد ذاتی و صفاتی صحیح ہوں دوسرا حصہ وہ ہے جس میں احکام روحانی و جسمانی اساسی و قانونی، اصلاحی اور تمدنی ہوتے ہیں۔ اس حصہ کا کمال درجہ یہ ہے کہ افراط و تفریط سے محفوظ، کمی بیشی سے پاک اور درمیانی درجہ میں عدل پر مبنی ہو۔ قرآن دونوں حصوں کے اعتبار سے کامل ہے۔ لہٰذا بلحاظ سچائی بھی درجۂ کمال کو پہنچا ہوا ہے اور بلحاظ عدل بھی۔

مقصودِ بیان خدا تعالیٰ کے وعدہ وعید میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ احکامِ شرع میں زمانہ کی گردش سے کوئی تغیر نہیں ہوسکتا قرآن مجید ہمیشہ کے لیے تحریف سے محفوظ ہے۔ قرآن کے کل اخبارات و پیشین گوئیاں سچی ہیں۔ قرآن کے کل قوانین و ضوابط عدل پر مبنی ہیں اور خلافِ عقل نہیں ہیں۔ اس کی تعلیم خواہ عبادت کی ہو یا معاملات کی یا عقائد کی افراط و تفریط سے پاک ہے۔ لا مبدل لکلماتہ سے بقول بعض کے یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ دنیا و آخرت میں جو کچھ ہوتا ہے وہ ناقابلِ تبدیل ہے۔ نہ تقدیراً جنتی دوزخی ہوسکتا ہے۔ نہ دوزخی جنتی ہوسکتا ہے۔

وَإِن تُطِعْ أَكْثَرَ مَن فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا

اگر تم دنیا کے اکثر لوگوں کے کہنے پر چلوگے تو وہ تم کو راہِ خدا سے بے راہ کردیں گے نہ تو صرف خیال پر چلتے

الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ○ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ مَن يَضِلُّ عَن سَبِيلِهِ ۖ

ہیں اور نری انکلیں دوڑاتے ہیں تمہارا رب اُن کو خوب جانتا ہے جو اُس کی راہ سے بھٹکتا ہے

وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ○ فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ إِن كُنتُم بِآيَاتِهِ

(اور) ہدایت یافتہ لوگوں سے خوب واقف ہے سو اگر تم اللہ کے احکام پر ایمان رکھتے ہو تو جس (ذبیحہ) پر اللہ کا نام لیا گیا ہو

مُؤْمِنِينَ ○ وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ

اُس کو کھاؤ اور کیا وجہ کہ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو اُس کو نہ کھاؤ حالانکہ اُس نے وہ

لَكُم مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ ۗ وَإِنَّ كَثِيرًا لَّيُضِلُّونَ

چیزیں مفصل بیان کردیں جن کو تم پر حرام کردیا ہے بجز اس کے کہ تم (ان حرام چیزوں کے کھانے پر) مجبور ہو اور بیشک اکثر بلا تحقیق اپنی

بِأَهْوَائِهِم بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِينَ ○

خواہشوں کے موافق بہکاتے رہتے ہیں تمہارا رب حد سے بڑھنے والوں کو خوب جانتا ہے

toobaafoundation.com

تفسیر تحقیق:۔ مَنْ فِی الْاَرْضِ مراد کفار ہیں اور ارض سے مراد یا مطلق زمین ہے یا صرف مکہ۔ دونوں صورتیں جائز ہیں کیونکہ کفار بہ نسبت اہل ایمان کے کل زمین پر بھی زیادہ ہیں اور مکہ میں بھی اس زمانہ میں زیادہ تھے۔ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَیْكُمْ سے وہ محرمات مراد ہیں جن کی تفصیل سورۂ مائدہ میں حُرِّمَتْ عَلَیْكُمُ الْمَیْتَةُ الخ میں وارد ہوئی ہے لیکن اس پر ایک قوی اشکال امام رازی نے تفسیر کبیر میں وارد کیا ہے کہ یہ سورۂ انعام کی ہے اور مائدہ مدنی ہے اور مکی سورتیں یقیناً نزول میں مدنی سورتوں سے مقدم ہیں پھر کس طرح ممکن ہے کہ کی آیت میں مدنی آیت کا حوالہ دیا جائے۔ مقدم النزول میں مؤخر النزول کا حوالہ خلاف عقل ہے۔ اس اعتراض کے بعد امام نے فرمایا کہ فَصَّلَ لَكُمْ میں جس آیت کی طرف حوالہ ہے وہ حُرِّمَتْ عَلَیْكُمُ الْمَیْتَةُ نہیں بلکہ قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا الخ ہے لیکن دیگر مفسرین نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ حوالہ علم الٰہی کی ترتیب کے لحاظ سے ہے یعنی مدنی سورت اگرچہ کی سورت سے نزول میں مقدم ہے لیکن علم الٰہی میں یہ بات موجود تھی کہ ترتیب قرآنی میں سورۂ انعام پر سورۂ مائدہ مقدم ہوگی۔ لہٰذا سورۂ انعام میں کسی ایسی آیت کا حوالہ دینا جو سورۂ مائدہ میں مذکور ہوئی، ترتیب قرآنی کے موافق ہے۔

شانِ نزول کفار مکہ مسلمانوں کے دلوں میں شبہ ڈالتے تھے اور کہتے تھے کہ مسلمانو! تم کیسے ناسمجھ ہو کہ خدا کے معبود ہونے کا دعویٰ کرتے ہو اور پھر اپنے ہاتھ سے مارے ہوئے جانور (یعنی ذبیحہ) کو کھا لیتے ہو مگر خدا کا مارا ہوا یعنی مردار نہیں کھاتے۔ حالانکہ اللہ کا مارا ہوا بہ نسبت لوگوں کے مارے ہوئے جانوروں کے بدرجۂ اولیٰ کھانا چاہیئے۔ اس پر یہ آیت اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ آخر تک نازل ہوئی۔

حاصل مطلب یہ ہے کہ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ یُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اگر تم کفار کا کہنا مانو گے تو یہ تم کو راہِ حق سے بہکا دیں گے یعنی ایسی وہمی باتیں شیطان کے ساختہ بتائیں گے جن کے ماننے سے غضبِ الٰہی نازل ہوتا ہے اور آدمی ہدایت سے محروم ہو جاتا ہے۔ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ ○ یہ لوگ محض اپنے وہم و گمان پر چلتے ہیں جس کی کوئی اصل نہیں۔ تحقیقی بات کو نہیں مانتے۔ حقیقۃ الامر ان کو معلوم نہیں۔ جو بات تحقیقی ہے اس کو یہ وہمی جانتے ہیں اور جو خلافِ حق ہے اس کو تحقیقی جانتے ہیں۔ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ یَّضِلُّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ ○ حالانکہ خدا کو خوب معلوم ہے کہ کون گم کردہ راہ ہے اور کون راہِ راست پر ہے کس کا قول تحقیقی ہے اور کس کا محض وہمی قیاسی۔ لہٰذا تم ان کے شبہات کی پرواہ نہ کرو بلکہ احکام الٰہی پر اگر تمہارا واقعی ایمان ہے تو فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰیٰتِهٖ مُؤْمِنِیْنَ ○ ان چیزوں کو کھاؤ جن کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیا گیا ہو یعنی بسم اللہ کہہ کر ذبح کیا گیا ہو اس کو کھاؤ اور جو مردار ہو اس کو نہ کھاؤ۔ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَیْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَیْهِ ۔ آخر شبہ کی گنجائش ہی کیا ہے جب خدا تعالیٰ نے مفصل بیان کر دیا ہے کہ فلاں فلاں چیزوں کو بغیر کسی خاص اضطراری حالت کے نہ کھاؤ تو اب ان کے علاوہ اور چیزوں کو نہ کھانے کا کیا سبب۔ وَاِنَّ كَثِیْرًا لَّیُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَیْرِ عِلْمٍ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِیْنَ ○ یہ کفار عرب تو اپنی نفسانیت اور ہوس پرستی اور جہالت سے الٹی سیدھی باتیں بنا کر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں اور حدِ اعتدال سے ادھر ادھر بھٹکتے پھرتے ہیں۔ خدا خوب واقف ہے کہ کون کون لوگ اعتدال سے ہٹے ہوئے ہیں۔

مقصودِ بیان گروہ حق تعداد میں ہمیشہ کم ہوتا ہے۔ عموماً انسان گمراہی پسند واقع ہوئے ہیں۔ اکثر لوگوں کو تحقیقی و وہمی باتوں میں امتیاز نہیں ہوتا۔ عموماً لوگ اپنے من گھڑت خیالات پر چلتے ہیں۔ تحقیقی حکم دریافت کرنے کے لئے نص کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ اگر کوئی حکم قرآنی اپنی رائے کے خلاف بھی معلوم ہو تب بھی اس کو ماننا چاہیئے اور اپنی رائے کو نفس کا دھوکا سمجھنا چاہیئے۔ احکام الٰہی پر ایمان رکھنے کا نتیجہ یہ ہے کہ ان پر عمل کیا جائے۔ حلال کو حرام سمجھنا کفر و ضلال ہے۔ وغیرہ

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَیُجْزَوْنَ بِمَا

(مسلمانو) ظاہری اور باطنی گناہ چھوڑ دو جو لوگ گناہ کرتے ہیں وہ عنقریب اپنے کئے کی

toobaafoundation.com

كَانُوا يَقْتَرِفُونَ ۝ وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ

سزا پائیں گے ۔ اور جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو تم اس کو نہ کھاؤ یہ گناہ ہے۔

وَإِنَّ الشَّيٰطِينَ لَيُوحُونَ إِلٰى أَوْلِيَآئِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ ۚ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ

شیطان اپنے رفیقوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں کہ وہ تم سے کج بحثی کریں اگر تم اُن کا کہا مانو گے تو

إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ ۝ ع

یقیناً تم مشرک ہو

تفسیر گزشتہ آیات میں راہ حق پر چلنے کی ہدایت اور محرمات سے بچنے کا حکم تھا۔ یہاں قاعدہ کلیہ کے طور پر عام حکم دیتا ہے جو تمام قوانین کی بنیاد ہے۔

تحقیق ضروری ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ کا لفظی ترجمہ تو کھلا ڈھکا گناہ ہے۔ لیکن اس سے کیا مراد ہے؟ اہل علم کے اقوال اس میں مختلف ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں۔ اس سے مراد علانیہ اور در پردہ زنا مراد ہے۔ یہ سدی کا قول ہے۔ عکرمہ کہتے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ باپ کی منکوحہ اور بیٹے کی مدخولہ سے نکاح مت کرو۔ قتادہ کا قول ہے کہ ظاہر الاثم سے مراد قلیل گناہ اور باطن الاثم سے مراد کثیر گناہ ہے۔ لیکن اہل تحقیق کے نزدیک کسی خاص گناہ کی تخصیص نہیں ہر قسم کے گناہ کی اس آیت میں ممانعت ہے۔ ظاہری گناہ وہ ہیں جو اعضائے ظاہری سے ظاہر میں محسوس ہوں مثلاً علانیہ زنا، قمار بازی، قزاقی، شراب خواری، دروغ بافی، مکار خواری اور باطنی گناہ وہ ہیں جو اعضائے باطنی سے تعلق رکھتے ہوں۔ مثلاً بدنیتی، حسد، کینہ، رعونت، خود نمائی، مسلمانوں کو ضرر رسانی کی تدبیریں سوچنا، مختلف شکوک و شبہات دل میں لانا وغیرہ یا وہ گناہ جن کا تعلق اگرچہ ظاہری اعضاء سے ہو مگر اُن کو چھپا کر کیا جائے۔ مثلاً گوشۂ چشم سے غیر محرم کو دیکھنا، چھپ کر زنا کرنا اور مخلوق سے پوشیدہ ہو کر کوئی گناہ کرنا۔ رہی یہ بات کہ گناہ کیا چیز ہے؟ تو اس کے متعلق نواس بن سمعان کی روایت کردہ حدیث کافی ہے۔ نواس کہتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اثم کیا چیز ہے؟ فرمایا اثم وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے اور تو اس بات کو پسند نہ کرے کہ لوگ اس پر مطلع ہوں (رواہ ابن ابی حاتم وغیرہ بسند صحیح)

حاصل مطلب یہ ہے کہ وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ۚ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ہر قسم کے ظاہری باطنی گناہ کو چھوڑ دو۔ یعنی ذبیحہ کو حرام سمجھنا اور حلال کو حرام جاننا بھی گناہ ہے لہٰذا اس کو بھی ترک کر دو۔ کیونکہ ہر گناہ کی سزا ضرور دی جائے گی۔

وَلَا تَأْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ۚ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ۝ اوپر کی آیت میں حکم دیا گیا تھا کہ تم کفار کی شک اندازی سے شک میں نہ پڑ جانا اُن کے بہکانے سے بہک نہ جانا ذبیحہ کو حرام نہ سمجھ لینا۔ اب اس کے مخالف پہلو کے متعلق ہدایت کی جاتی ہے کہ یہ شیطان ہیں۔ ان کے دوست شیطان اُن کے دلوں میں ایسی باتیں ڈالتے ہیں کہ وہ تم سے جھگڑا کرنے لگتے ہیں۔ لہٰذا تم ان کا کہنا نہ ماننا اور ان کے حکم کو صحیح نہ سمجھنا ورنہ تم بھی مشرک فی الحکم ہو جاؤ گے۔ غرض یہ کہ جس پر خدا کا نام نہ لیا گیا ہو اس کو نہ کھاؤ۔

toobaafoundation.com

تحقیقِ مسائل عطاء کہتے ہیں کہ یہ حکم کچھ ذبیحہ پر ہی موقوف نہیں بلکہ ہر کھانے پینے پر بھی بسم اللہ پڑھنی ضروری ہے ورنہ وہ چیز حرام ہے۔ مگر جمہور کے نزدیک اور چیزوں پر بسم اللہ پڑھنی مسنون ہے نہ کہ فرض کیونکہ آیت میں مِمَّا سے جانور مراد ہیں مگر جانور بھی حلال جن کو کتاب و سنت نے حرام نہ کہا ہو اور یہ بسم اللہ کہنا بھی ذبیحہ کو اس وقت درست کرتا ہے جبکہ مومن یا اہلِ کتاب نے ذبح کیا ہو۔

اہلِ کتاب کے نزدیک اس آیت سے تمام وہ ذبائح حرام ہیں جن پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ خواہ جھٹکا ہو۔ یا گردن مروڑا ہوا یا بتوں کے نام پر ذبح کیا ہوا یا خود مرا ہوا ہو یا بسم اللہ کہہ کر ہی ذبح کیا گیا ہو لیکن مسلم و کتابی نے ذبح نہ کیا ہو بلکہ مسلم و کتابی کے علاوہ کسی مشرک مجوسی یا ملحد نے ذبح کیا ہو۔ بہرحال یہ تمام جانور حرام ہیں۔

اگر مسلمان سے بوقتِ ذبح بسم اللہ کہنا ترک ہو جائے خواہ عمداً خواہ سہواً تو اس کے متعلق علماء کا ایک گروہ کہتا ہے کہ وہ بھی حرام ہے۔ یہ ابن عمر، نافع شعبی اور ابن شیرین کا قول ہے اور ایک روایت سے مالک و احمد حنبل کا بھی یہی قول ہے اور داؤد ظاہری بھی اسی کے قائل ہیں۔ مگر دوسرا گروہ کہتا ہے کہ اگر سہواً بسم اللہ کہنا ترک ہو گیا تو اس کا کھانا حلال ہے۔ حضرت علی، ابن عباس، سعید بن مسیب، عطاء، طاؤس، حسن بصری، عبدالرحمٰن اور ابو حنیفہؒ کا یہی قول ہے۔ اس گروہ کا قول ہے کہ سہواً ترک دراصل ترک نہیں بھول چوک مسلمان کے لئے معاف ہے۔ امام شافعیؒ وغیرہ کہتے ہیں کہ مسلمان عمداً بسم اللہ کہنی ترک کر دے تو بھی درست ہے کیونکہ آیت میں ذبح غیر اللہ کی حرمت مذکور ہے۔

مقصودِ بیان وحی کرنے والا شیطان بھی ہوتا ہے۔ آدمیوں میں سے بعض ایسے ہیں جو شیطانوں کی طبیعت پر پیدا ہوئے ہیں۔ کسی حرام چیز کو حلال یا حلال کو حرام جاننا کفر ہے۔ شرک دو قسم کا ہوتا ہے۔ شرک فی العقیدہ اور شرک فی العمل۔ شریعت میں دونوں ممنوع ہیں۔ شیطانوں اور نافرمانوں کا کہنا ماننا اور ان کے قول پر چلنا شرک فی الحکم ہے۔ وغیرہ

أَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ

بھلا ایسا شخص جو بے جان تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کیا پھر اس کو روشنی دی جس کو وہ لوگوں میں لئے پھرتا ہے اس شخص کی

كَمَنْ مَثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِنْهَا كَذَلِكَ زُيِّنَ لِلْكَافِرِينَ مَا

طرح ہو سکتا ہے جس کی حالت یہ ہے کہ تاریکیوں میں پڑا ہوا ہے ان سے نہیں نکل سکتا اسی طرح کافروں کی نظر میں ان کے (بد) اعمال

كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ أَكَابِرَ مُجْرِمِيهَا لِيَمْكُرُوا

بھلے کر دکھائے گئے ہیں اور اسی طرح ہر بستی میں ہم نے گنہگاروں کے سردار پیدا کئے تاکہ اس بستی میں وہ

فِيهَا وَمَا يَمْكُرُونَ إِلَّا بِأَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ۝

فساد کریں حالانکہ جس قدر وہ مکاریاں کرتے ہیں اپنے ہی حق میں کرتے ہیں مگر اس کو سمجھتے نہیں

تفسیر حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت حمزہ بن عبدالمطلب اور ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی۔ زید بن اسلم کے قول کے مطابق حضرت عمر بن خطاب اور ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ عمار بن یاسر اور ابوجہل مراد ہیں۔ مقاتل کا قول ہے کہ حضور اقدس کی شانِ والاشان اور ابوجہل ملعون کے حق میں نازل ہوئی۔ شیخ ابن کثیر نے آخری فیصلہ کے طور پر فرمایا کہ بعض لوگوں کے نزدیک اس آیت کا نزول دو معین شخصوں کے حق میں ہوا تھا پھر جس کو نور عطا کیا گیا وہ عمر بن الخطاب یا عمار بن یاسر ہیں اور جو تاریکیوں میں پڑا رہا اور نکل نہ سکا

toobaafoundation.com

وہ ابوجہل ہے۔ مگر میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ آیت عام ہے اس میں ہر کافر و مومن داخل ہے۔ یعنی کوئی مومن کسی کافر کے مساوی نہیں۔ انتہیٰ اکثر مفسرین نے ابن کثیر کے فیصلہ کو ہی پسند کیا ہے۔

تحقیق مُردہ سے مُراد مردہ دل اور حیات سے مراد زندہ دل یعنی ہدایت اور نور سے مُراد نورِ ایمان یا قرآن اور ظلمات سے مُراد شرک و کفر کی تاریکیاں بداعمالیوں کی اندھیریاں اور عقائد بد کی ظلمتیں ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے:۔ اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ حاصل مطلب یہ ہے کہ دو شخص ہیں ایک تو وہ جو پہلے مُردہ تھا پھر اس کو زندہ کیا گیا اور اُس کو ایک منور چراغ دیا گیا تاکہ چراغ لے کر جدھر چاہے چلا جائے۔ چراغ کی روشنی میں سیدھا راستہ تلاش کرے۔ نہ گڑھے میں کہیں گرے نہ خندق میں۔ دوسرا وہ شخص ہے جو گھٹا ٹوپ اندھیریوں میں پھنسا ہوا ہو۔ چاروں طرف تاریکی ہی تاریکی ہو۔ کچھ دکھائی نہ دیتا ہو اور اندھیری سے نکلنے کی کوئی صورت نہ ہو۔ یہ دونوں شخص برابر نہیں ہو سکتے۔ اول الذکر شخص روشنی میں سیدھا راستہ تلاش کرے گا۔ ہر کھائی خندق سے محفوظ رہے گا اور آہستہ آہستہ روشنی میں منزلِ مقصود پر پہنچ جائے گا اور مؤخر الذکر آدمی منزل پر نہ پہنچ سکے گا کہیں گڑھے میں خندق میں گر جائے گا۔ کسی چیز سے ٹکرا جائے گا اور بالآخر ہلاک ہو جائے گا۔ یہی حالت مومن و کافر کی ہے۔ مومن شروع میں مادی کثافتوں اور طبعی کدورتوں میں پھنسا ہوتا ہے جو اُس کی موت روحانی کا باعث ہیں لیکن خدا تعالیٰ اُس کی اس موت کو زائل کر کے اُس کے دل کو زندہ کرتا ہے۔ پھر اُس کو نورِ ایمان و قرآن عطا فرماتا ہے جس کے ذریعہ وہ حق و باطل اور خطا و صواب میں امتیاز کرتا ہے۔ قرآن و ایمان کی روشنی میں وہ اپنی زندگی کی راہ طے کرتا اور بالآخر نجاتِ ابدی کی منزل پر پہنچ جاتا ہے اور کافر ہر طرح کی تاریکیوں میں پھنسا رہتا ہے۔ اُس کا دل مُردہ ہوتا ہے۔ حواس مُردہ، دماغ مُردہ، تمام قویٰ مُردہ، یہاں تک کہ روح مُردہ ہوتی ہے۔ عقائدِ بد اور اعمالِ شنیعہ کی تاریکیاں اُس کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہوتی ہیں۔ وہ بھی اپنی زندگی کی راہ چلتا ہے مگر اندھا دھند اندھیرے میں ٹاماں ٹوئیاں مارتا پھرتا ہے جس کا نتیجہ دوامی موت اور عذاب سرمدی ہے۔

اس کے بعد کافروں کے تاریکیوں میں پھنسنے اور اندھیریوں سے باہر نہ نکل سکنے کی وجہ ظاہر فرماتا ہے کہ درحقیقت کافروں کو اپنے اعمال و افعال مستحسن اور نظر فریب معلوم ہوتے ہیں۔ پھر وہ اپنے کفر و شناعت و ضلالت کو کس طرح چھوڑیں۔ یعنی اُن کی رُوحانیت میں تضاد و تدریجاً خباثت کی طرف طبعی میلان رکھتا ہے۔ جس طرح نجاست کے کیڑے کو نجاست کی طرف طبعی میلان ہوتا ہے کہ وہ پاک چیزیں چھوڑ کر اُسی کو پسند کرتا ہے۔ اسی طرح کافروں کی نظر میں اُن کی بداعمالیاں خوشنما معلوم ہوتی ہیں۔ پھر کس طرح تاریکیوں میں سے نکل سکتے ہیں۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ۭ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ یعنی جس طرح مکہ کے سردار ابوجہل، ولید بن مغیرہ وغیرہ مجرموں کے سرگروہ ہیں اور لوگوں کو مکر و فریب سے گمراہی کی طرف کھینچتے ہیں اسی طرح ہم نے ہر بستی اور ہر گاؤں میں جہاں کہیں نبی بھیجے وہاں کے بدکاروں اور مکاروں کو سرداری اور دنیوی عزت عطا کی تاکہ جہاں تک اُن سے ہو سکے مکر و فریب سے گمراہی پھیلائیں اور آخر میں نتیجہ فریب اُنہی کو برداشت کرنا ہو اور وہی مستوجب ہلاکت اور مستحق بربادی قرار پائے مگر اُن کو اس کا احساس ہی نہ تھا۔ وہ تو اپنے آپ کو کامیاب حکمراں، بامراد سردار اور خوشحال رئیس سمجھتے رہے۔

مقصودِ بیان مسلمان زندہ ہے اور کافر مُردہ۔ مسلمان کے پاس مشعلِ ہدایت اور نورِ ایمان ہے اور کافر اندھیرے میں پڑا ہوا ہے۔ کافروں کے بے ایمان رہنے کی وجہ یہ ہے کہ اُن کو اپنی بداعمالیاں اور بداعتقادیاں اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ اس سے ایک لطیف اشارہ اس طرف ہے کہ جو شخص گناہ کرے مگر اس کو اچھا نہ سمجھے تو اُمید ہے کہ خدا تعالیٰ اُس کو ہدایت کی توفیق عطا فرمادے۔ لیکن جو شخص گناہ کو گناہ نہ سمجھے بلکہ اس کو بہتر سمجھنے لگے یعنی اچھے کو بُرا اور بُرے کو اچھا جاننے لگے اس کی فلاح کی اُمید ہی نہیں ہو سکتی۔ تباہ کاروں اور بداطوار اشخاص کو دولتمند مرفہ الحال اور امیر کبیر کرنا خدا تعالیٰ کی آزمائش ہے۔ اگر کوئی شخص گناہ و ظلم کرنے کے باوجود خوب پھلتا پھولتا جائے اور روز بروز اس کو دنیوی ترقی حاصل ہو تو سمجھ لینا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ اُس کو مکمل طور پر تباہ کرنا چاہتا ہے۔ وغیرہ۔

toobaafoundation.com

وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِىَ رُسُلُ اللّٰهِ ؕ

جب اُن کے سامنے کوئی معجزہ آتا ہے تو کہتے ہیں ہم ہرگز نہ مانیں گے تا وقتیکہ ہم کو ویسی ہی چیز نہ دی جائے جیسی اللہ کے پیغمبروں کو دی گئی ہے

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ

اللہ خوب واقف ہے کہ اس کی پیغمبری کا موقع کہاں ہے عنقریب ان مجرموں کو ان کی فساد انگیزی کی پاداش میں ذلت اور

اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ۝

سخت عذاب پہنچے گا۔

تفسیر جب مذہب اسلام کو روز بروز ترقی ہوتی گئی تو ابو جہل نے کہا کہ بنی عبد مناف ہمارے ساتھ ہر شرف و عزت میں مساوی ہیں، لیکن جب انھوں نے ہم سے بڑھنا چاہا تو کہہ بیٹھے کہ ہم میں نبی ہے جس پر وحی نازل ہوتی ہے۔ چنانچہ عبد مناف کی اولاد میں محمد بن عبد اللہ نے نبوت کا دعویٰ کیا بخدا ہم خوش نہ ہوں گے جب تک کہ اس کی طرح ہم پر بھی وحی نازل نہ ہو۔ اس گستاخی کے اظہار میں جو تکذیب وعناد تکبر سب کی جامع ہے یہ آیت نازل ہوئی۔ بعض مفسرین نے یہ قول ولید بن مغیرہ کا بیان کیا ہے۔ اس سے کافروں کا مقصود یہ تھا کہ ہم متبوع ہوں گے تابع نہ ہوں گے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِىَ رُسُلُ اللّٰهِ حاصل یہ ہے کہ جس طرح پیغمبران خدا کے پاس وحی آتی ہے جب تک ایسی وحی ہمارے پاس نہ آئے گی ہم نہ مانیں گے اور ہرگز یقین نہ کریں گے۔ یہ قول کفار کا تھا۔ خدا تعالیٰ اس کے جواب میں فرماتا ہے۔

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسٰلَتَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ۝ جس کا حاصل یہ ہے کہ ان کا یہ خیال غلط ہے کیونکہ نبوت کا معیار دنیوی وجاہت، اور مال و دولت نہیں نہ اس کا حسب نسب وشہرت پر ہے بلکہ خدا تعالیٰ کے انتخاب پر ہے خدا تعالیٰ جو مناسب محل جانتا ہے اور جس کے اندر فضائل نفسانیہ دیکھتا ہے اور ازل میں جن کو نفوس قدسیہ عطا کئے گئے ہیں انہی کو نبوت سے سرفراز کرتا ہے۔ کسی کی خواہش کو اس میں دخل نہیں ہے۔ اس مضمون کی تائید میں ہم ذیل میں دو حدیثیں نقل کرتے ہیں۔ پہلی حدیث مسلم نے روایت کی ہے اور دوسری امام احمد نے۔

واثلہ بن اسقع کہتے ہیں۔ رسول پاکؐ نے فرمایا۔ اللہ پاک نے اولادِ ابراہیم میں سے اسمٰعیل کو برگزیدہ کیا اور اولادِ اسمٰعیل میں سے بنو کنانہ کو اور بنی کنانہ میں سے قریش کو اور قریش میں سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں سے مجھ کو۔

عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے دلوں پر نظر فرمائی۔ پس علم ازلی میں محمدؐ کے دل کو سب سے بہتر دیکھ کر اس کو اپنی رسالت کے لئے منتخب فرمایا۔ اس کے بعد پھر بندوں کے دلوں پر نظر فرمائی۔ پس حضورؐ کے اصحاب کے دلوں کو سب سے بہتر دیکھ کر اپنے رسول کا مددگار بنایا جو اللہ کے دین کے واسطے جہاد کرتے ہیں۔ پس جس بات کو مسلمانوں نے بہتر دیکھا وہ اللہ کے نزدیک بہتر ہے اور جس کو مسلمانوں نے برا سمجھا وہ اللہ کے نزدیک بری ہے۔

غرض حاصلِ آیت یہ ہے کہ رسالت فضل الٰہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے جس کو مناسب سمجھتا ہے دیتا ہے۔ اس کے بعد گستاخی کرنے والوں کو تہدید فرماتا ہے اور ان کے کرتوت کے پاداش کی سخت دھمکی دیتا ہے

toobaafoundation.com

مقصود بیان نبوت کسبی نہیں وہبی ہے۔ نبوت کسی استحقاق سے نہیں ملتی بلکہ خدا جس کو چاہتا ہے اس نعمت سے سرفراز فرماتا ہے۔ نبوت کے لئے جن فضائل و خصائل کی ضرورت ہے اُن کو خدا ہی خوب جانتا ہے۔ حسد، تکبر، عناد بدترین چیزیں ہیں جن کی وجہ سے آدمی عذاب کا سزاوار ہوتا ہے۔

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ

جس کو اللہ ہدایت کرنی چاہتا ہے اُس کے سینہ کو اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جس کو گمراہ رکھنا چاہتا ہے

يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِى السَّمَآءِ ؕ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ

اُس کے سینہ کو بہت ہی تنگ کر دیتا ہے (اسلام لانا اُسے) معلوم ہوتا ہے کہ گویا آسمان پر چڑھتا ہے اللہ اسی طرح بے ایمانوں پر

الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ؕ قَدْ

عذاب ڈالتا ہے (اے محمد) یہی تمہارے رب کا سیدھا راستہ ہے ہم نے

فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ۝ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ

غور کرنے والے لوگوں کے لئے احکام صاف صاف بیان کر دیئے ہیں اُن کے لئے اُن کے رب کے پاس ان کے اعمال کے صلہ میں

وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

سلامتی کا گھر ہے وہی اُن کا کارساز ہے

تفسیر گزشتہ آیات میں بتایا تھا کہ کفار اپنی تاریکیوں سے نہیں نکل سکتے اور مومن نورِ ایمان اور ضیاءِ قرآن میں چل کر اپنی منزل پر پہنچ جاتے ہیں۔ اب اس کی اصل وجہ بیان فرماتا ہے کہ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ یہ تمام باتیں مشیتِ الٰہی پر موقوف ہیں۔ خدا تعالےٰ جس کی آنکھوں سے چاہتا ہے حجابات اُٹھا دیتا ہے اور اس کو اسلام کی خوبیاں نظر آنے لگتی ہیں اس لئے وہ مسلمان ہو جاتا ہے۔

وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِى السَّمَآءِ ؕ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

اور جس کو گمراہی پہ پڑا رکھنا چاہتا ہے اُس کو اسلام کے قوانین ناقابلِ عمل اور ممتنع الحصول معلوم ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ کفر کی اندھیریوں میں پھنسا رہتا ہے۔

توضیح اسلام کے لئے سینہ کشادہ ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالےٰ اس کے دل میں نور ڈال دیتا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے آیت کا مطلب دریافت کیا گیا۔ ارشاد فرمایا کہ نور سینہ میں ڈالا جاتا ہے پس اسلام کے لئے سینہ کشادہ ہو جاتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اس کی کچھ نشانیاں بھی ہیں؟ فرمایا ایسے گھر (یعنی آخرت) کی طرف جھک جانا جو ہمیشہ رہنے والا ہے اور دار الغرور (یعنی دنیا) سے پہلو تہی کرنا اور موت آنے سے قبل اس کی تیاری رکھنا (رواہ ابن المبارک و عبدالرزاق

toobaafoundation.com

والفریابی وابن ابی شیبہ وعبد بن حمید وابن جریر وابن المنذر وابن مردویہ والبیہقی) ضَيِّقًا حَرَجًا کا یہ معنی ہے کہ اس کا سینہ قبولِ اسلام سے تنگی کرتا ہے (مجاہد و سدی) یا بھلائی کا اس میں گزر نہیں ہوتا (عطاء)

آسمان پر صعود کرنے کا یہ معنی ہے کہ ایمان اس کے لئے ایسا سخت ہوتا ہے جیسا آسمان کو چڑھنا۔ صاحب بیضاوی کہتے ہیں۔ کافر کے دل کی تنگی کی انتہا کو ایسے شخص سے تشبیہ دی گئی ہے جو خارج از قدرت چیز کی مزاولت کرتا ہو۔ بعض کا قول ہے کہ اس سے بُعد مسافت مُراد ہے۔ یعنی اسلام سے اتنی دُور بھاگتا ہے گویا آسمان پر چڑھتا ہے۔ میرے نزدیک صحیح اور خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اللہ جس شخص کو ہدایت کرنی چاہتا ہے۔ اس کا دل اسلام کے لئے کشادہ کر دیتا ہے۔ اسلام کی خوبیاں اس کے دل میں جم جاتی ہیں اور وہ ذراسی تحریک پر مسلمان ہوجاتا ہے اور اللہ جس کو گمراہ کرنا چاہتا ہے اُس کے دل کو تنگ کر دیتا ہے۔ وہ اسلام کی خوبیاں سننے سے گھبراتا ہے جیسے کوئی آسمان پر چڑھنا چاہے اور ناکام رہنے کے سبب دل تنگ ہوتا ہے اور گھبراتا ہے۔ اسی طرح کافر کو خیالاتِ خبیثہ اور شیطانی وسوسے اور رمال و زر کی طمع اسلام قبول کرنے سے روکتی ہے اور قوانینِ اسلام اس کو ناقابلِ برداشت مصیبت معلوم ہوتے ہیں۔

اس سے آگے ارشاد ہوتا ہے کہ بے ایمانوں پر خدا ایسی پھٹکار برساتا ہے۔ یعنی سب اسی کی مشیت کے مواقف ہوتا ہے۔ خدا کافروں کو مردود کرنا چاہتا ہے تو دل بھی ان کا ویسا ہی کر دیتا ہے۔ ابن عباس رضؓ کے نزدیک رجس سے مراد شیطان ہے۔ یعنی بے ایمانوں پر اللہ تعالیٰ شیطان کو مسلط کر دیتا ہے۔ مجاہد کے نزدیک رجس سے مراد ہر وہ چیز ہے جس میں بھلائی نہ ہو۔ عبدالرحمٰن بن زید نے رجس کے معنی عذاب بیان کئے ہیں۔ زجاج کا قول ہے کہ رجس دنیا میں لعنت ہے اور آخرت میں عذاب۔

وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيمًا ۖ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ۝ یعنی اسلام سیدھی سڑک ہے۔ نہ اس میں مختلف پگڈنڈیاں ہیں نہ کج راہیں نہ افراط ہے نہ تفریط۔ یہ سڑک سیدھی دارالسلام (سلامتی کا گھر یعنی جنت) تک پہنچتی ہے مگر اس پر چلنا ہر ایک کا کام نہیں سمجھنے والے ہی اس پر چلتے ہیں اور چل کر دوامی نجات کے گھر تک پہنچتے ہیں اور لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ وہ گھر صرف اللہ کے پاس ہے۔ وہاں وہی ان کا کارساز ہوگا اور یہ دارالسلام اُن کو خواہ مخواہ نہ مل جائے گا بلکہ اُن کے اعمالِ صالحہ اور کوشش کی جزا ہوگی۔ جمہور کے نزدیک دارالسلام کے معنی دارالسلامتہ ہیں اور مراد اس سے جنت ہے۔ کیونکہ وہاں ہر ناخوشگوار چیز سے سلامتی ہوگی۔ قتادہ کا قول ہے کہ دارالسلام جنت ہے یعنی جنت کا نام ہے۔ سدی اور حسن بصری کہتے ہیں کہ سلام اللہ کا نام ہے اور جنت اس کا دار ہے یعنی اس نے جنت کو اپنے نیک بندوں کے لئے پیدا کیا ہے۔ جابر بن زید نے دارالسلام کے معنی دارالتحیۃ بیان کئے ہیں۔ بہرحال مُراد جنت ہے۔

مقصودِ بیان ہدایت و ضلالت سب کچھ اللہ کے دستِ قدرت میں ہے۔ اللہ جیسا چاہتا ہے ویسے ہی اُس کے اسباب کر دیتا ہے۔ ہدایت دینی چاہتا ہے تو دل کو کشادہ اور نورانی کر دیتا ہے۔ گمراہ کرنا چاہتا ہے تو دل کو تنگ، تاریک کر دیتا ہے۔ اسلام سیدھا راستہ ہے اس کے قوانین معتدل ہیں۔ ہر قسم کی کمی بیشی سے پاک ہیں۔ آثارِ قدرت، قوانینِ فطرت اور آیاتِ الٰہیہ سے ہر شخص کو فائدہ نہیں پہنچتا بلکہ صرف دانشمندوں اور سمجھداروں کو پہنچتا ہے۔ اسلام کے قوانین عقل کے مطابق ہیں۔ اس کا کوئی جزئیہ دانش کے خلاف نہیں۔ اعمالِ صالحہ اور کوشش ضائع نہ جائے گی بلکہ اُس کے صلہ میں اللہ کے فضل سے جنت ملے گی۔ اس میں ایک بلیغ اشارہ اس طرف ہے کہ آدمی اعمال سے غافل نہ ہو اور ہر قسم کی نیکی کی کوشش کرے۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ

جس روز کہ اِن سب کو اللہ جمع کرے گا (اور فرمائے گا) اے گروہِ جنات تم نے　آدمیوں میں　بڑا حصہ　لیا

toobaafoundation.com

وَقَالَ اَوۡلِيٰٓـؤُهُمۡ مِّنَ الۡاِنۡسِ رَبَّنَا اسۡتَمۡتَعَ بَعۡضُنَا بِبَعۡضٍ وَّبَلَغۡنَاۤ اَجَلَنَا

اور آدمیوں میں سے جو اُن کے دوست تھے وہ کہیں گے پروردگار ہم میں ایک نے دوسرے سے فائدہ اُٹھایا اور ہم اس میعاد تک پہنچ

الَّذِيۡۤ اَجَّلۡتَ لَنَا ؕ قَالَ النَّارُ مَثۡوٰٮكُمۡ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَاۤ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ

گئے جو تو نے ہمارے لئے مقرر کی تھی اللہ فرمائے گا دوزخ تمہارا ٹھکانا ہے ہمیشہ اس میں رہو گے مگر جو اللہ چاہے تمہارا

رَبَّكَ حَكِيۡمٌ عَلِيۡمٌ ۝ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّىۡ بَعۡضَ الظّٰلِمِيۡنَ بَعۡضًا ۢ بِمَا

رب یقیناً حکمت والا اور دانا ہے اسی طرح ہم بعض ظالموں کو بعض کا سرپرست اُن کے کرتوت کی پاداش

كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ ۝ ع ۱۵

میں بنا دیا کرتے ہیں

تفسیر کھلے دنیا میں انس و جن دو قسم کی مخلوق ہے۔ جن دو قسم کے ہوتے ہیں نیک و بد۔ بد جنات کو شیاطین کہا جاتا ہے۔ شیاطین اللہ کے کھلے دشمن ہیں اور انسان آزمائش میں گرفتار ہے۔ اللہ پاک پیغمبر کو بھیجتا اور اُن کو اپنی طرف بلاتا ہے اور شیطان وسوسے ڈالتے اور بدی کی طرف کھینچتے ہیں۔ انسان اپنی ناسمجھی سے شیطان کے کہنے میں آکر اللہ پاک کی نافرمانی کرتا ہے۔ شیطانوں کی تعظیم و تکریم کرتا اُن کی نذر بھینٹ چڑھاتا اور ہر طرح سے اُن کی پرستش کرتا ہے اور شیطان ہر وقت ایسے آدمیوں کی مدد کرتے ہیں۔ قیامت کے دن خدا تعالیٰ دونوں گروہوں کو اپنے سامنے حاضر کرے گا اور شیاطین سے فرمائے گا۔ وَيَوۡمَ يَحۡشُرُهُمۡ جَمِيۡعًا ۚ يٰمَعۡشَرَ الۡجِنِّ قَدِ اسۡتَكۡثَرۡتُمۡ مِّنَ الۡاِنۡسِ کہ تم نے بہت آدمیوں سے فائدہ اٹھایا۔ اُن سے اپنی تعظیم تکریم کرائی۔

شیطانوں کا جواب اس جگہ مذکور نہیں لیکن دوسری جگہ مذکور ہے کہ وہ جواب دیں گے کہ ہم نے اُن پر زبردستی نہیں کی تھی۔ اس جگہ صرف انسانوں کا جواب فرمایا۔ وَقَالَ اَوۡلِيٰٓـؤُهُمۡ مِّنَ الۡاِنۡسِ رَبَّنَا اسۡتَمۡتَعَ بَعۡضُنَا بِبَعۡضٍ وَّبَلَغۡنَاۤ اَجَلَنَا الَّذِيۡۤ اَجَّلۡتَ لَنَا آدمی جواب دیں گے کہ واقع میں ہم اور شیطان آپس میں ایک دوسرے سے فائدہ اُٹھاتے رہے۔ شیطانوں نے ہم پر حکمرانی کی اور ہم نے ان کے ذریعہ سے خوب مزے اُڑائے اور خواہشات کو دل بھر کر پورا کیا۔ یہاں تک کہ قیامت کا یہ وقت موعود آگیا۔ غرض کیا آدمی اور کیا شیطان کسی سے جواب نہ بن پڑیگا۔ قَالَ النَّارُ مَثۡوٰٮكُمۡ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَاۤ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيۡمٌ عَلِيۡمٌ ۝ اور خدا تعالیٰ سب کو ایک ساتھ جہنم میں جھونک دیگا اور فرمائے گا کہ ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہو۔ یعنی اب یہاں سے تمہاری رہائی ناممکن ہے۔

تفسیری تحقیق معشر الجن سے مراد شیاطین اور کافر جنات ہیں۔ اِسۡتَكۡثَرۡتُمۡ کا مطلب ابن عباسؓ، مجاہد، قتادہ اور حسن بصری نے یہ بیان کیا ہے کہ تم نے بہت سے انسانوں کو گمراہ کر لیا تھا۔ بعض نے استمتاع کثیر مراد لیا ہے۔ یعنی اے گروہ جن تم نے آدمیوں سے بہت فائدہ اُٹھایا۔ وہ آدمی جو شیطانوں کے دوست ہیں کہیں گے کہ پروردگار ہم میں سے ایک نے دوسرے سے خوب فائدہ اٹھایا۔ اس کی تفصیل ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ شیخ ابن جریر کہتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں اہل عرب میں سے اگر کسی کا اتفاقاً رات کو جنگل میں ٹھہرنے کا ہو جاتا تو وہ کہتا اعوذ بکبیر ھذا الوادی یعنی میں اس جنگل کے سردار کی پناہ مانگتا ہوں کہ کوئی شریر جن مجھ کو نہ ستانے پائے۔ یہ تو انسان کا نفع جنات سے ہوا اور جنات کا فائدہ انسانوں سے یہ ہوا کہ آدمی اُن سے مدد مانگتے اور اُن کی تعظیم کرتے اور جنات آدمیوں کے ان افعال سے خوش

toobaafoundation.com

ہونے اور اپنے کو جن و انس کا سردار سمجھنے لگتے۔ حسن بصری کہتے ہیں کہ جنوں کو حکم دینا اور انسان کا اُس پر عمل کرنا یہی استمتاع ہے۔

اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰہُ کا مطلب مختلف طور پر بیان کیا گیا ہے۔ بات یہ ہے کہ اس استثنا سے عموماً شبہ ہوتا ہے کہ شاید کافروں کو بھی کسی وقت دوزخ سے نجات مل جائے گی اور آن پر عذاب بھی دائمی نہ ہوگا۔ اس شبہ کا ازالہ علماء نے چند صورتوں سے کیا ہے:۔

(۱) ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ استثنا ایسے لوگوں کی طرف راجع ہے جن کے حق میں اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ وہ ایمان لائیں گے۔ اس تقدیر پر مَا شَاءَ بمعنی مَنْ شَاءَ کے ہوگا۔ یعنی جس کو چاہے گا خدا دوزخ میں ہمیشہ نہ رکھے گا۔ کرخی کا بھی یہی قول ہے۔

(۲) مطلب یہ ہے کہ وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے سوائے اُن اوقات کے جن میں جہنم سے نکال کر حمیم میں داخل کیا جائے گا یعنی چوں کہ حمیم دوزخ سے علیحدہ مقام عذاب ہے اس لئے بعض اوقات اُن کو عذاب جہنم سے نکال کر عذاب حمیم کی طرف منتقل کیا جائے گا۔

(۳) صاحب بیضاوی نے بھی یہی معنی بیان کئے ہیں۔ مگر حمیم کے بجائے زمہریر کا عذاب بیان کیا ہے۔ یعنی آگ کے عذاب سے منتقل کر کے اُن کو بعض اوقات عذاب زمہریر (سرد عذاب) کی طرف لے جایا جائے گا۔

(۴) تفتازانی نے حاشیہ کشاف میں بیان کیا ہے کہ اس استثناء سے اس امر کی تاکید ہوتی ہے کہ وہ ہمیشہ دوزخ میں پڑے رہیں گے۔ یعنی خلود کا وقت کبھی منتہی نہ ہوگا مگر اس وقت کہ اللہ چاہے اور یہ تو ظاہر ہی ہے کہ مشیت الٰہی کبھی اُن کے خروج کی نہ ہوگی۔ لہٰذا خلود مؤکد ہوگیا۔

وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۔ یہ ایک کلیہ قاعدہ بطور جملہ معترضہ کے بیان فرمایا۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ ہمارا قاعدہ ہی یہ ہے کہ ظالموں اور ناحق شناسوں کو اُن کی بداعمالیوں کی وجہ سے ایک کو دوسرے کا دوست کر دیتے ہیں اور کفار باہم ایک دوسرے کے متولی ہوتے ہیں۔ عبدالرحمٰن بن زید کا قول ہے کہ آیت کا مطلب یہ ہے ہم ایک کو دوسرے پر مسلط کر دیتے ہیں یعنی ظالم جنوں کو ظالم انسانوں پر غالب کر دیتے ہیں۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اس سے دوزخ کی حالت کا بیان مقصود ہے کہ دوزخ میں بعض ظالم بعض کے پیچھے ہوں گے

مقصود بیان خبیث خبیث کا دوست ہوتا ہے۔ خواہ جن ہو یا آدمی۔ اجل خدا تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے۔ کفار ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے کبھی رہائی نہ ہوگی۔ انسان کی بداعمالیوں اور بدکاریوں کی وجہ سے بدکار ظالم حاکم ہوتا ہے۔ وغیرہ

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ

اے گروہ جن و انس کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے پیغمبر نہیں پہنچے جو میرے احکام تم سے بیان کرتے تھے

وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓي اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ

اور تم کو اسی دن کے پیش آنے سے ڈراتے تھے وہ کہیں گے ہم اپنے اوپر مقر ہیں اُن کو دنیوی

الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ۝

زندگانی نے دھوکہ میں رکھا تھا اور آپ ہی اپنے اوپر انہوں نے گواہی دے دی کہ ہم بے شک کافر ہیں

تفسیر یہ اوپر کی آیات کا تکملہ اور کفار کے عذر بارد کی تردید ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا۔ قیامت کے دن جب کفار عذر پیش کریں گے کہ خدا تعالیٰ ہمارا کیا قصور ہے۔ ہم میں سے ایک دوسرے نے ناجائز فائدہ اٹھایا اور بہکایا تو خدا تعالیٰ فرمائے گا یہ عذر تمہارا غلط ہے۔ اے گروہ جن و انس کیا تمہارے پاس تمہارے ہی مجموعی گروہ میں سے خدا کے رسول نہ آئے تھے جو تم کو نصیحت کرتے اور دعوت خیر دیتے تھے اور اس نصیحت سے

toobaafoundation.com

طرح کا ابہام و اخلاق بیان احکام میں نہ کرتے تھے اور آج کے دن کے عذاب سے تم کو ڈراتے تھے۔ پھر تم نے ان کا کہنا نہ مانا۔ قَالُوا شَهِدْنَا عَلَىٰ أَنفُسِنَا ۖ وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا كَافِرِينَ ○ کفار جواب دیں گے واقعی بات تو یہی ہے۔ اس میں ہمارا ہی قصور ہے۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ دنیا میں یہ لوگ اپنی دنیوی زندگانی پر ریجھے ہوئے تھے اور قیامت کے دن انھوں نے اپنے کافر ہونے کا اقرار کرلیا۔ یعنی دنیوی زندگانی میں ایسے لذات و شہوات میں غرق رہے کہ انجام کا خیال بھی نہ کیا اور جب نتیجۂ بد سامنے آیا تو اس وقت اپنے کفر کا اقرار کیا۔

توضیح ضروری چونکہ رُسُلٌ مِّنكُمْ اس آیت میں وارد ہوا ہے اور مِنكُمْ کا خطاب جن وانس دونوں کو ہے۔ اس لئے ضحاک کہتے ہیں کہ جنات میں سے بھی رسول ہوتے ہیں۔ مجاہد، ابن جریج، ابن کثیر و دیگر صحابہ و تابعین کا مسلک یہ ہے کہ پیغمبر صرف انسانوں میں سے ہوئے ہیں جنات میں سے نہیں ہوئے۔ رہی یہ آیت تو اس میں مِنكُمْ سے مِن مجموعکم مراد ہے یعنی جن وانس کی مجموعی جماعت میں سے رسول ہوئے ہیں۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جنات میں سے بھی ہوئے۔ مثلاً اگر کہا جائے کہ فلاں شہر کی رہنے والی مسلم جماعتیں بہت مخلص ہیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس شہر کی ہر جماعت بہت مخلص ہو۔ اسی طرح یہاں پر بھی جن وانس کے ہر ہر گروہ کو خطاب جدا جدا نہیں بلکہ دونوں نوعوں کے مجموعوں کو ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول تو فقط اولادِ آدم میں ہوئے ہیں اور جنات میں فقط نذیر گزرے ہیں۔ اس کلام کا مطلب یہ ہے کہ پیغمبر صرف انسانوں میں ہوئے ہیں لیکن کچھ جنات ان پیغمبروں کے نائب ہوئے جنھوں نے اپنی قوم کو جاکر ہدایت کی اور عذاب الٰہی سے ڈرایا۔

یہاں اس آیت پر بعض لوگوں نے شبہ کیا ہے کہ کفار کس طرح قیامت کے دن اپنے کافر ہونے کی شہادت دیں گے۔ حالانکہ دوسری آیت میں ان کا جھوٹ بولنا مذکور ہے کہ وَاللَّهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ ○ یعنی قیامت کے دن کفار جھوٹی قسم کھاکر کہیں گے کہ ہم دنیا میں مشرک نہ تھے۔ اس کا جواب علماء نے یہ دیا ہے کہ قیامت کے روز مختلف احوال و واقعات ہوں گے۔ بعض اوقات میں انکار کریں گے اور بعض حالتوں میں اقرار۔

مقصودِ بیان انبیاء صرف احکام الٰہی پہنچانے اور عذاب سے ڈرانے کے لئے آئے۔ قیامت کے دن کفار اپنے کفر کا اقرار کریں گے۔ آیت میں مسلمانوں کو عبرت اندوزی کی لطیف ترین نصیحت ہے اور کفار کو نہایت واضح طور پر تنبیہ ہے کہ کفر و شرک کو چھوڑ دو ورنہ قیامت کے پشیمان ہونے سے کچھ کام نہ چلے گا۔

ذَٰلِكَ أَن لَّمْ يَكُن رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا غَافِلُونَ ○ وَلِكُلٍّ

(پیغمبر بھیجنے کی وجہ یہ ہے کہ) تمہارا رب ظلم سے بستیوں کو برباد نہیں کرتا ایسی حالت میں کہ وہاں کے باشندے (احکام خدا سے) بے خبر ہوں سب

دَرَجَاتٌ مِّمَّا عَمِلُوا ۚ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ○

کے لیے ان کے اعمال کے لحاظ سے درجات ہیں اور تمہارا رب ان کے اعمال سے بے خبر نہیں ہے

تفسیر اس آیت میں خدا تعالیٰ نے ارسال انبیاء کی علت بیان فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ ذَٰلِكَ أَن لَّمْ يَكُن رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا غَافِلُونَ ○ تمام لوگ عقل و دانش میں برابر نہیں ہیں۔ ہر شخص خطا کو خطا اور صواب کو صواب

toobaafoundation.com

نہیں سمجھتا۔ اس لئے ناسمجھ لوگ خلافِ عقل حرکات، اور نازیبا اور بےجا افعال کرتے ہیں۔ مگر وہ نیک و بد سے غافل ہوتے ہیں۔ وہ اچھے بُرے اور صحیح غلط میں امتیاز نہیں کرتے اور خدا تعالیٰ کی یہ عادت نہیں کہ خواہ مخواہ آبادیوں کو تباہ کر دے۔ اگرچہ وہاں کے باشندے اچھے بُرے کو نہ سمجھتے ہوں بلکہ اس کا قانون یہ ہے کہ پہلے اچھے کو اچھا اور بُرے کو بُرا بتا دیتا ہے۔ پھر بھی اگر لوگ نہیں مانتے تو عذاب نازل فرماتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے تبلیغ احکام اور اظہارِ حق کے لئے انبیاء یا انبیاء کے نائب ہر بستی میں بھیجے تاکہ وہ توحید و اصلاحِ اعمال کی ہدایت کریں۔

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ۝ یعنی انبیاء کو مبعوث کرنے اور احکام نازل فرمانے کے بعد لوگ جیسا عمل کریں گے ویسی ہی اُن کو جزا ملے گی۔ ہر شخص کا درجہ اُس کے اعمال کے موافق ہوگا اور کل دنیا کے اعمال خدا کو بخوبی معلوم ہیں۔ لہٰذا وہ ہر شخص کو اُس کے اعمال کے مطابق بدلہ دے گا۔

مقصودِ بیان

ہر بستی میں نبی یا نائب نبی ضرور ہوا ہے۔ دنیا کی کوئی آبادی اس سے خالی نہیں۔ خدا تعالیٰ کا قانون ہے کہ بغیر اتمامِ حجت اور تکمیلِ برہان کے عذاب نازل نہیں فرماتا۔ قیامت کے دن لوگوں کے درجات مختلف ہوں گے۔ نہ سب نیک ایک سے ہوں گے۔ نہ تمام بد ایک ہی طرح کا عذاب پائیں گے۔ خدا تعالیٰ عالم الکل ہے۔ کوئی ذرہ اس کے علم سے غائب نہیں۔ آیت چونکہ مطلق ہے اس لئے ملائکہ اور جن و انس سب کو شامل ہے۔ ہر ایک کو اس کے اعمال کا عوض ملے گا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں فرشتے سب کے سب جنتی ہیں۔ شیاطین سب کے سب دوزخی۔ باقی جن و انس میں سے کچھ دوزخی کچھ جنتی۔

وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۚ إِنْ يَّشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ

اور تمہارا رب بالکل غنی رحمت والا ہے اگر وہ چاہے تو تم سب کو اٹھالے اور تمہارے بعد جسے چاہے تمہارا جانشین

مَّا يَشَاءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۝ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ

بنادے جس طرح تم کو دوسروں کی نسل سے پیدا کیا ہے تم سے جس (قیامت) کا وعدہ کیا جاتا ہے۔ وہ یقیناً

وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝

آنے والی ہے تم (اللہ کو) مغلوب نہیں کر سکتے

تفسیر

اوپر کی آیت سے شبہ ہوتا تھا کہ شاید پیغمبروں کو بھیجنے اور مخلوق کی اطاعت کرنے سے خدا کا کچھ ذاتی نفع ہے۔ اس آیت میں اس شبہ کا ازالہ فرمایا کہ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ خدا کو نہ کسی کی اطاعت سے نفع ہے نہ سرکشی سے نقصان نہ پیغمبروں کو بھیجنے کی کچھ ذاتی ضرورت۔ وہ ان تمام چیزوں سے غنی ہے۔ بات صرف یہ ہے کہ وہ رحیم کریم ہے۔ بندوں پر رحمت کرتا ہے۔ اس لئے بندوں کے فائدہ کے لئے اس نے انبیاء بھیجے۔ کسی کو اس کا غرور نہ ہونا چاہیئے کہ خدا ہماری عبادت کا محتاج ہے۔ ہم نہ ہوں گے تو اس کی اطاعت کون کرے گا کیونکہ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَاءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۝ خدا کمزور نہیں۔ اُس نے جس طرح گزشتہ اقوام کو فنا کیا اور اُن کی نسل سے دوسرے لوگوں کو پیدا کیا۔ اسی طرح وہ ان لوگوں کو ہلاک کر کے دوسری نسل کو اُن کی بجائے لا سکتا ہے۔ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ اور صرف یہی نہیں بلکہ ایسا دن ضرور آئے گا کہ تمام دنیا فنا ہو جائے گی اور فنا ہو کر پھر پیدا ہو گی۔ کوئی اس کو اس فعل سے روک نہیں سکتا۔ ابن کثیر کے نزدیک يُذْهِبْكُمْ سے خطاب اہل مکہ کو ہے۔

toobaafoundation.com

مقصودِ بیان خدا کا کوئی فعل معلل بالغرض نہیں ۔ انبیاء کو بھیجنے اور لوگوں کی اطاعت گزاری میں خدا کا کوئی ذاتی نفع نہیں ۔ انبیاء کو بھیجنا اور اُن کے ذریعہ سے مخلوق کو ہدایت کرانا خدا کی رحمت ہے ۔ خدا تا در مطلق ہے ۔

قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ

(اے نبی) کہہ دو کہ لوگو تم اپنی جگہ عمل کئے جاؤ میں اپنی جگہ عمل کر رہا ہوں آگے چل کر تم کو معلوم ہو جائے گا کہ دارِ آخرت

لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ○

کس کو ملتا ہے بلاشبہ ظالموں کا بھلا نہیں ہوتا

تفسیر اوپر کی آیت میں وقوعِ قیامت کی نص قطعی تھی اور چونکہ وقوعِ قیامت کے مشرکین منکر تھے اس لئے بمزید وثوق نہایت تہدید کے ساتھ فرمایا کہ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۔ اے نبی اُن سے کہدو کہ اگر تم قیامت کو سچ نہیں جانتے تو اپنے امکان بھر پوری طاقت کے ساتھ اپنی حالت کے موافق (جو کچھ چاہو) کئے جاؤ یعنی اپنی حالتِ کفر اور مخالفتِ حق پر جمے رہو ۔ میں بھی اپنی حالت پر نہایت وثوق کے ساتھ قائم ہوں ۔ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۔ عنقریب نتیجہ معلوم ہو جائے گا ۔ خود کھل جائے گا کہ نیک انجام کس کا ہوگا ۔ جو لوگ ناحق شناس بے جا حرکتیں کرنے والے ہوتے ہیں اُن کا انجام یقیناً اچھا نہ ہوگا ۔ یعنی جس نے شرک و کفر کیا وہ سعید نہ ہوگا ۔ اس میں کفار پر تعریض ہے کہ اگر تم اسی حالت پر قائم رہے تو ہرگز فلاح نہ پاؤ گے ۔ تمہارا انجام اچھا نہ ہوگا بلکہ اہلِ توحید کا انجام دین و دنیا میں نیک ہوگا (ابن عباسؓ) ، ابن کثیر فرماتے ہیں کہ خدا تعالے نے یہ وعدہ اپنے حبیب کے ساتھ پورا کر دیا ۔ مکہ اور تمام جزیرۂ عرب کی فتح عنایت فرمائی اور مشرکین اور معاندین کو زیر کر دیا ۔ یہاں تک کہ آپ کے خلفاء کے زمانہ میں بڑی بڑی سلطنتیں اقتدارِ اسلام میں دیدیں ۔ پھر اس کے علاوہ قیامت کے دن کافروں اور منکروں کا انجام بُرا ہوگا اور حُسنِ عاقبت اہلِ ایمان و اسلام کو نصیب ہوگا ۔

مقصودِ بیان تہدید آمیز حکم ، کفار کے انجامِ بد کی پیشین گوئی ۔ اس امر کی صراحت کہ ظالم ناحق شناس کو نہ دنیوی فلاح حاصل ہوتی ہے نہ دینی ۔ رحمتِ الٰہی عامل کے شاملِ حال ہوتی ہے ۔ وغیرہ

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ

انھوں نے اللہ کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور چوپایوں میں اللہ کا ایک حصہ قرار دے رکھا ہے اور بزعم خود کہتے ہیں یہ اللہ کا ہے :

وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ

اور یہ ہمارے اُن معبودوں کا ہے جو اللہ کے شریک ہیں پس جو کچھ اُن کے شریکوں کا ہوتا ہے وہ اللہ کو نہیں پہنچتا اور جو حصہ اللہ

لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ○

کا ہوتا ہے وہ ان کے شریکوں کو پہنچ جاتا ہے یہ کیسا بُرا انصاف کرتے ہیں

toobaafoundation.com

تفسیر ان آیات میں کفارِ عرب کی چند شرک آمیز حماقتوں کا بیان ہے اور پُر زور تردید بھی کی ہے۔ اس آیت کی شانِ نزول علماء نے مختلف بیان کی ہے لیکن مفہوم مشترک سب میں ایک ہی ہے:۔

(۱) عرب کا دستور تھا کہ کھیتی باڑی میں سے جو نیاز کرتے تو خط کھینچ کر اس کے دو حصے کر دیتے تھے۔ ایک حصہ تو اللہ کا دوسرا بتوں کا۔ اگر اللہ کے حصہ کی کھیتی زیادہ شاداب و سرسبز ہوتی تو اس کو بدل کر بتوں کے نام کی کر دیتے تھے۔ اسی طرح جانوروں میں بھی کچھ حصہ اللہ کا رکھتے تھے اور باقی بتوں کا۔ پھر اگر اللہ کے نام کا جانور موٹا تازہ ہوتا اور بتوں کے جانوروں میں رَل مِل جاتا تو اس کو علیحدہ نہ کرتے تھے۔ لیکن بتوں کی طرف کی ایسی چیز کو اللہ کی طرف نہ بدلتے تھے۔ اگر کوئی شخص اُن سے اس کا سبب پوچھتا تو کہتے کہ اللہ حاجتمند نہیں ہے اور ہمارے یہ دیوتا حاجتمند ہیں۔ ان کی حماقت ظاہر کرنے کو یہ آیت نازل ہوئی۔

(۲) کفارِ عرب کچھ غلہ اور چوپائے بتوں کے لئے معین کر لیتے اور کچھ خدا کے لئے۔ اُن کا اعتقاد تھا کہ جو حصہ بتوں کے نام کا ہے وہ اللہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ یعنی اُن مصارف میں نہیں صرف ہو سکتا جو اللہ تعالیٰ نے مشروع فرمائے ہیں۔ مثلاً محتاجوں مسکینوں کو صدقہ دینا، مسافروں مہمانوں کو کھلانا، اہلِ قرابت وغیرہ سے سلوک کرنا اور جو حصہ اللہ کے نام کا ہے وہ بتوں کو پہنچ سکتا ہے۔ یعنی بتوں کی اصلاح اور بُت خانہ کے خدمتگاروں کے صَرف میں آسکتا ہے۔ حاصل یہ کہ اُن کا اعتقاد تھا کہ جو چیز بتوں کے نام کی ہے اُس کو تو بدستور اُسی جگہ پر قائم رکھنا چاہیئے اور جو چیز اللہ کے نام کی ہو اس کے تصرف میں تبدیل ہو سکتی ہے۔

(۳) عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ کفارِ عرب کا دستور تھا کہ جو چیز اللہ کے نام کی قرار دیدیتے خواہ وہ ذبیحہ ہوتا یا غلہ وغیرہ اُس کو کبھی نہیں کھاتے جب تک کہ اس کے ساتھ کسی معبود کا نام شریک نہ کر لیتے اور جو چیز اُن کے باطل معبودوں کے نام کی ہوتی اُس پر اللہ کا نام ذکر ہی نہ کرتے تھے اور یہ تقسیم اُن کی بہت ہی بُری تھی۔

(۴) غلہ وغیرہ کی الگ الگ ڈھیریاں لگاتے۔ کوئی ڈھیری اللہ کے نام کی اور کوئی بتوں اور شیطانوں کے نام کی ہوتی تھی۔ اگر اللہ کے نام کی ڈھیری میں سے کچھ بتوں کی ڈھیری میں گر جاتا تو نہ نکالتے اور کہتے اللہ ہی نے اس میں مزید حصہ شامل کر دیا ہے اور اگر بتوں کی ڈھیری میں سے اللہ کے نام کی ڈھیری میں کچھ گر جاتا تو فوراً نکال لیتے اور کہتے یہ اللہ کو نہیں پہنچ سکتا ہے۔ یہی شانِ نزول اور مطلب آیات کے زیادہ مناسب ہے۔ اگرچہ صحیح سب ہے۔

حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ وَجَعَلُوا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا کھیتی غلہ جانور وغیرہ پیدا تو سب کو کیا اللہ نے اور ان احمقوں نے حصہ مقرر کر دیا اس میں بتوں کا یہ عجب حماقت ہے۔ فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ۔ پھر بتوں کے حصے میں سے اگر کچھ خدا کے حصہ کی طرف گر جائے تو کہتے ہیں۔ یہ خدا کو نہیں پہنچ سکتا اور اگر خدا کے حصہ میں سے بتوں کے حصہ میں کچھ پہنچ جائے تو کہتے ہیں یہ ہمارے معبودوں کو پہنچ جاتا ہے۔ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝ یہ عجیب حماقت آفریں تقسیم ہے اور عجیب جاہلانہ فیصلہ ہے۔

تحقیق ضروری الزہری اور مرزوقی کہتے ہیں کہ زعم کا استعمال اکثر ایسے امر میں ہوتا ہے جو مشکوک ہو متحقق نہ ہو۔ ابن القوطیہ کا قول ہے زعم ایسی چیز میں استعمال ہوتا ہے جس کا حال معلوم نہ ہو کہ حق ہے یا باطل۔ خطابی کہتے ہیں کہ اگر غیر ممکن بات کا دعویٰ ہو اور وہ چیز لائقِ گفتگو نہ ہو تو ایسے وقت میں لفظ زعم کا استعمال کیا جاتا ہے۔

ہدایت خاص جو لوگ حضرت امام جعفر صادقؒ یا شیخ سدو کے کونڈے کرتے ہیں یا غیر اللہ کی نذر نیاز کرتے ہیں یا غیر اللہ کے نام پر قربانی کرتے یا قبروں پہ چڑھاوے چڑھاتے ہیں اُن کو اس آیت سے سبق حاصل کرنا چاہیئے۔

مقصود بیان تصرف فی العمل کی قطعی ممانعت۔ اس امر کی صراحت کہ غیر اللہ کے نام کی کوئی چیز اس کو نہیں پہنچتی۔ یہ صرف گمان ہی گمان ہے۔ خدا ہی نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے۔ لہٰذا ہر نیاز نذر اُسی کے نام کی ہونی چاہیئے۔ وغیرہ

toobaafoundation.com

وَكَذَٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ قَتْلَ أَوْلَادِهِمْ شُرَكَاؤُهُمْ لِيُرْدُوهُمْ

ایسے ہی بہتیرے مشرکوں کو اپنی اولاد کا قتل کرنا ان کے (خود ساختہ) شرکاء نے مستحسن کر رکھا ہے تاکہ اُن کو تباہ کر دیں

وَلِيَلْبِسُوا عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ ۖ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا فَعَلُوهُ ۖ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ

اور ان پر اُن کے دین کو مشتبہ کر دیں اگر اللہ چاہتا تو یہ ایسا نہ کرتے تم ان کو چھوڑ دو یہ جانیں اور ان کی افترا پردازی

تفسیر یہ مشرکوں کی دوسری حماقت کا اظہار ہے۔ زمانۂ اسلام سے قبل عرب کے بیرحم جاہل اپنی لڑکیوں کو قتل کر دیتے تھے۔ اس قتل کی بنا دو خیالات پر تھی۔ اول تو یہ کہ لڑکی کمائی اور لڑائی اور قتل عداوت کر نہیں سکتی پھر اس کو کھانے کو کس طرح دیا جا سکتا ہے اور کہاں سے دیا جائے۔ دوسرے یہ کہ اگر یہ زندہ رہے گی تو اس کی شادی کرنی پڑے گی اور دوسرے مرد کے تصرف میں آئے گی اور اس سے ہماری ذلت ہو گی۔ بالکل یہی جذبہ اور یہی رواج ہندوستان کے چھتریوں میں تھا بلکہ عرب کے مشرک اس سے بھی کچھ بڑھے ہوئے تھے۔ لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے اور اگر کوئی لڑکی ماں کے چھپانے کی وجہ سے شروع میں بچ جاتی اور آٹھ دس برس کی ہو جاتی اور پھر باپ کو معلوم ہو جاتا کہ یہ زندہ ہے تو وہ کسی بہانہ سے اس کو جنگل لے جاتا اور گڑھا کھود کر اس کو اس میں دبا دیتا۔ وہ ہر چند روتی اور رحم کی درخواست کرتی مگر اس ظالم بے رحم کو رحم نہ آتا۔ اس رواج کی مذمت اس آیت میں کی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

وَكَذَٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ قَتْلَ أَوْلَادِهِمْ شُرَكَاؤُهُمْ لِيُرْدُوهُمْ وَلِيَلْبِسُوا عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ —

شیطانوں کا مقصد یہ ہے کہ ان کو ہلاک کر دیں۔ یعنی اُن کی آخرت تباہ کر دیں اور ان کے دین کو گڑبڑ کر دیں یعنی حق و باطل کا امتیاز اُن کی نظر سے دُور کر دیں۔ یہی وجہ ہے کہ شیطانوں نے اُن کو قتلِ اولاد پر آمادہ کیا اور اس فعل کو ان کی نظر میں مستحسن کر کے دکھایا اور فقط قتلِ اولاد کو ہی قابلِ استحسان نہیں قرار دیا بلکہ اس سے پہلے بھی اُن کے عقائد و اعمال کو بگاڑ دیا۔ غرض یہ کہ یہ لوگ پہلے دینِ ابراہیمی اور طریقِ اسمٰعیل پر تھے۔ جب زمانہ زیادہ گزرا تو شیطان نے اُن کا اعتقاد بگاڑ دیا۔ پھر اعمالِ صالحہ کے برعکس گناہ کی باتیں ان کی نظر میں رچائیں اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ اولاد کو قتل کرنے لگے۔ اور اس فعل کو قابلِ استحسان جاننے لگے۔ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا فَعَلُوهُ ۖ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ ۝ لیکن اگر خدا چاہتا تو یہ ایسا نہ کر سکتے۔

مقصودِ بیان کفار کی حالتِ سقیمہ اور افعالِ ذمیمہ کا بیان، شیطان کے اغوا کی تصریح۔ اس امر کی نص کہ باطل کو حق اور غلط کو صحیح کر دکھانا شیطان کا کام ہے۔ کل چیزیں باطل ہوں یا حق خدا کی مشیت سے ہوتی ہیں۔ کفار کی بہتان تراشی اور افترا بندی سے اعراض کرنا مسلمانوں پر واجب ہے۔ وغیرہ

وَقَالُوا هَٰذِهِ أَنْعَامٌ وَحَرْثٌ حِجْرٌ لَّا يَطْعَمُهَا إِلَّا مَن نَّشَاءُ بِزَعْمِهِمْ

کہتے ہیں یہ چوپائے اور کھیتی چھوتی ہے اس کو سوائے اُن کے جس کو ہم چاہیں اور کوئی نہیں کھا سکتا

وَأَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُورُهَا وَأَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُونَ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا افْتِرَاءً

اور کچھ مویشی ایسے ہیں جن کی پشت پر سواری حرام کر دی گئی ہے اور کچھ چوپائے (کے ذبح کے وقت) اللہ کا نام نہیں لیتے یہ سب باتیں اللہ

toobaafoundation.com

عَلَيْهِ ۭ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ○

پر افترا کر کے کرتے ہیں عنقریب اللہ ان کو اُن کی بہتان تراشی کی سزا دے گا

تفسیر کفارِ عرب کی یہ تیسری حماقت آگئیں گمراہی کا اظہار ہے۔ کفار اپنے زعمِ باطل اور گمانِ غلط سے کچھ چوپائے اور کچھ کھیتیاں ایسی مقرر کر رکھتے ہیں جن کا کھانا عورتوں کے لئے ناجائز اور مردوں کے لئے جائز سمجھتے تھے اور مردوں میں سے بھی صرف بتخانوں کے مجاوروں کے لئے اُن کا کھانا جائز ہوتا تھا۔ اسی حماقت کا اظہار اس آیت میں کیا گیا ہے۔ ابن عباس، مجاہد، سدی، ضحاک اور قتادہ کے نزدیک حجر کے معنی ہیں حرام۔ مَنْ نَّشَآءُ سے مراد ابن کثیر اور بیضاوی کے نزدیک مندروں کے مجاور اور بتوں کے خدمتگار ہیں۔ مطلب صاف ہے۔ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا۔ یہ چوتھی حماقت کا بیان ہے۔ عرب کے کافر بتوں کے ناموں پر کچھ سانڈ آزاد چھوڑ دیتے تھے جن پر سوار ہونا اور بار برداری کرنا ممنوع تھا۔ وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ۭ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ○ یہ پانچویں حماقت کا اظہار ہے۔ کفارِ عرب بعض جانور مخصوص کر لیتے تھے جن پر کسی موقع پر اللہ کا نام نہ لیا جاتا تھا۔ نہ دودھ دوہتے وقت، نہ سواری و باربرداری کے وقت، نہ ذبح کے وقت۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ جو کچھ چوپائے ایسے مخصوص کر لئے جاتے تھے جن کو ذبح کرنے کے وقت بتوں کے نام لئے جاتے اللہ کا نام نہ لیا جاتا اور اس حکم کو وہ اللہ کی طرف منسوب کرتے تھے۔ اسی حماقت کو آیت میں بیان کیا ہے کہ یہ بالکل افترا ہے۔ خدا نے ایسا حکم نہیں دیا۔ خدا ان کی افترا پردازی کی کچھ مہلت کے بعد ضرور سزا دے گا۔

مقصودِ بیان کفر و وہم کی بیخ کنی کی تعلیم، کوئی چیز ایسی مخصوص کر لینا جس کو مرد کھائیں عورتیں نہ کھائیں یا عورتیں کھائیں اور مرد نہ کھائیں بالکل ناجائز ہے۔ مثلاً بیوی کا کونڈا ناجائز ہے جس کو صرف عورتیں کھاتی ہیں مرد نہیں کھاتے یا بڑے پیر کی گیارھویں جس کا کھانا بھنگیوں چماروں وغیرہ کے لئے ناجائز ہوتا ہے۔ سانڈ چھوڑنا حرام ہے۔ سوار ہونے یا ذبح کرنے یا دودھ دوہنے کے وقت اللہ کا نام لینا ضروری ہے۔

وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓي اَزْوَاجِنَا ۚ

کہتے ہیں اِن مویشیوں کے پیٹ میں جو کچھ ہے وہ ہمارے مردوں کے لئے حلال ہے ہماری عورتوں پر حرام ہے

وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ۭ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ۭ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ

اور اگر وہ مُردہ ہو تو سب اُس میں شریک ہیں عنقریب اللہ اُن کو اُن کی تقریروں کی سزا دے گا وہ بلاشبہ حکمت

عَلِيْمٌ ○ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا

والا اور دانا ہے تباہ ہو گئے وہ لوگ جنہوں نے اپنی اولاد کو بے سمجھے بوجھے بے وقوفی سے قتل کر دیا اور جو روزی اللہ

مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ۭ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ○ ع ۱۷

نے اُن کو دی تھی اُس کو حرام ٹھہرا لیا یہ سب کچھ اللہ پر افترا بندی کر کے کیا بلاشبہ یہ لوگ گمراہ ہو گئے اور راستہ پر نہ آئے

toobaafoundation.com

تفسیر صاحب روح المعانی نے ذکر کیا ہے کہ عرب کے جاہل کچھ حاملہ چوپایوں کو مخصوص کر لیتے تھے اور صرف مردوں کے لئے حلال سمجھتے تھے۔ عورتوں کو اس میں سے کھانا حرام تھا اور اگر وہ مردہ ہوتا تو سب کے لئے حلال سمجھتے۔ اسی کا بیان اس آیت میں ہے۔ اس صورت میں مافی البطون سے صرف پیٹ کا بچہ مراد ہوگا۔ لیکن ابن کثیر نے ابن عباس اور شعبی وغیرہ کا قول نقل کیا ہے کہ ما فی البطون سے صرف بچے ہی مراد نہیں ہے بلکہ جن جانوروں کو اہل عرب حرام سمجھتے تھے اُن کے دودھ کا بھی یہی حکم سمجھتے تھے۔ بحیرہ کا دودھ مرد کھاتے تھے عورتیں نہ کھاتی تھیں۔ اس تقدیر پر ما فی البطون سے مراد پیٹ کا بچہ اور دودھ دونوں ہیں۔ لیکن سیاق آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب روح المعانی کی تفسیر صحیح ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وَقَالُوا مَا فِي بُطُونِ هَٰذِهِ الْأَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُورِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلَىٰ أَزْوَاجِنَا۔ اہل عرب کہتے ہیں کہ ان چوپایوں کے پیٹ کے اندر جو کچھ ہے (بشرطیکہ وہ زندہ نکلے) تو وہ ہمارے مردوں کے لئے حلال ہے۔ عورتوں کے واسطے اس کا کھانا حرام ہے۔ وَإِن يَكُن مَّيْتَةً فَهُمْ فِيهِ شُرَكَاءُ اور اگر وہ مردہ برآمد ہو تو مردوں عورتوں سب کے لئے حلال ہے۔ سَيَجْزِيهِمْ وَصْفَهُمْ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ عنقریب اللہ اس دروغ بندی کی اور بیجا تحلیل و تحریم کی اُن کو سزا دے گا۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ قَتَلُوا أَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَحَرَّمُوا مَا رَزَقَهُمُ اللَّهُ افْتِرَاءً عَلَى اللَّهِ قَدْ ضَلُّوا وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ہ قبائل ربیعہ و مضر اور نیز بعض دیگر قبائل بیٹیوں کو صغر سنی میں ہی زندہ قبروں میں دفن کر دیتے تھے۔ اس خوف سے کہ عرب میں قتل و قتال بہت ہے کہیں قید نہ ہو جائیں۔ نیز ان کی شادی کرنی پڑے گی اور غیر مرد کے تصرف میں جائیں گی اور یہ ذلت کا سبب ہوگا۔ اس کے علاوہ اُن کو اپنے افلاس کا بھی خیال ہوتا تھا کہ ان کو کھلایا پلایا کہاں سے جائے گا۔ ان کی تردید میں یہ آیت اُتری۔ آیت کا مطلب ترجمہ سے صاف ظاہر ہے۔

مقصود بیان حلال کو حرام جاننا یا حرام کو حلال سمجھنا کفر ہے۔ بہتان تراشی اور خدا پر افترا بندی سخت جرم ہے۔ قتل اولاد اور تحریم حلال سخت جرم ہے۔ اس سے آدمی قطعی گمراہ ہو جاتا ہے۔ بے سمجھے بوجھے محض نادانی سے کوئی کام کرنا موجب ضلالت ہے۔

وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَ جَنَّاتٍ مَّعْرُوشَاتٍ وَغَيْرَ مَعْرُوشَاتٍ وَالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ

اُسی نے باغ پیدا کئے کچھ تو (بیل دار ہیں جو) ٹٹیوں پر چڑھائے جاتے ہیں اور کچھ ٹٹیوں پر نہیں چڑھائے جاتے (اُسی نے پیدا کئے) کھجور کے درخت

مُخْتَلِفًا أُكُلُهُ وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۚ كُلُوا مِن

اور کھیتیاں جن کے مزے مختلف ہیں اور زیتون اور انار کچھ تو ہمشکل ہوتے ہیں اور کچھ ہمشکل نہیں ہوتے (اور حکم دے دیا کہ) جب پھل

ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ ۖ وَلَا تُسْرِفُوا ۚ إِنَّهُ لَا

آئیں تو کھاؤ۔ اور کاٹنے کے دن اس کی زکوٰۃ ادا کرو اور بے جا خرچ نہ کرو اللہ بے جا

يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ۝

خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا

تفسیر اوپر کی آیات میں مشرکوں کی حماقتیں اور گمراہیاں پُر زور دلائل کے ساتھ بیان فرمائی تھیں اور اُن کے تمام اوہام و خیالات کی تردید

toobaafoundation.com

کردی تھی۔ اب یہاں سے کافروں کے باطل معبودوں کی معبودیت کی برائی تردید فرماتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ ا۔

وَهُوَ الَّذِيٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ خدا تعالیٰ نے باغات ایجاد فرمائے جن میں ہر قسم کا سبزہ اور درخت اگائے۔ کہیں ٹٹیوں پر بیلیں چڑھائی جاتی ہیں۔ کہیں تنہ اور ڈنڈی پر درخت اور پودے قائم ہوتے ہیں۔ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ خدا نے کھجور کے درخت اور مختلف قسم کی کھیتیاں بھی پیدا کی ہیں جن میں سے ہر ایک کی لذت جدا جدا ہے۔ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ اور زیتون اور انار بھی پیدا کئے جن کی صورتیں تو باہم ملتی جلتی ہیں اور مزے جدا جدا کوئی کڑوا کوئی میٹھا اور کوئی کھٹا كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ اور حکم عام دے دیا کہ جب پھل آئیں تو تم خود بھی کھاؤ اور مساکین کو بھی واجبی حق ادا کرو۔

ضروری تحقیق معروشات و غیر معروشات کے معنی ابن کثیر نے یہ بیان کئے ہیں کہ زمین پر پھیلی ہوئی بیلیں معروشات ہیں اور تنہ یا ڈنڈی یا کھڑے ہونے والے درخت اور پودے غیر معروشات ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ جو بیلیں ٹہنیوں کھمبوں اور ٹٹیوں پر چڑھی ہوں وہ معروشات ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ دونوں لفظوں سے مراد انگور کی بیلیں ہیں۔ کچھ بیلیں تو ٹٹیوں پر چڑھی ہوتی ہیں اور کچھ زمین پر پھیلی ہوئی۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں معروشات وہ درخت ہیں جو لوگوں نے لگائے ہوں اور غیر معروشات جنگل کے خودرو درخت۔ پھل کھانے کا حکم وجوبی نہیں ہے بلکہ بطور اباحت کے ہے۔ یعنی پھلوں کا کھانا مباح ہے دل چاہے تو کھاؤ۔

توضیح مبحث کھیتی یا پھلوں کے کٹنے کے دن اُن میں سے وجوبی حق مساکین کو دینے کے متعلق علماء کے مختلف اقوال ہیں:۔

(۱) ابن عباس، عطاء، ابن عمر، مجاہد، سعید بن جبیر وغیرہم کا قول ہے کہ حق ادا کرنے سے مراد زکوٰۃ یعنی دسواں یا چالیسواں حصہ دینا ہے۔ اس کو بقدرِ امکان کٹنے کے روز ادا کرے ورنہ بعد میں دیدے۔ آیت زکوٰۃ اگرچہ مدینہ میں پہنچ کر دوسرے سال نازل ہوئی لیکن کوئی تعجب نہیں کہ کھیتی اور پھلوں کا عشر دینا مکہ میں واجب ہوگیا ہو۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس آیت سے زمین کے ہر قسم کی پیداوار اور ہر مقدار پیداوار میں خواہ کتنی ہو عشر واجب ہے۔ جمہور کے نزدیک پانچ وسق سے کم مقدار میں عشر واجب نہیں ہے۔

(۲) علی بن حسین، عطاء، مجاہد اور حماد وغیرہ کا قول ہے کہ علاوہ عشر و نصف عشر کے کھیتی کے کٹنے کے دن اُن غرباء و مساکین کو جو کھیت و باغ میں آجاتے ہیں کچھ نہ کچھ دے دینا ضروری ہے۔ کیونکہ زکوٰۃ تو مدینہ میں فرض ہوئی اور یہ آیت مکی ہے۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں اسی پر فتوی دینا چاہیئے کیونکہ عشر و زکوٰۃ کا طریقہ ہی لوگوں نے بند رکھا ہے۔

(۳) انس بن مالک، محمد بن حنیفہ، حسن بصری، نخعی، طاؤس، ابو الشعثا، جابر ابن زید، ضحاک، قتادہ، ابن جریج اور سعید ابن مسیب کا قول ہے کہ یہ حکم مدینہ میں تھا۔ جب مدینہ میں عشر یا نصف عشر مقرر ہوا تو یہ حکم منسوخ ہوگیا۔ وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ کھیتی کٹنے کے دن صحابہ کرام کچھ غلہ مسکینوں کو دیا کرتے تھے۔ پھر انھوں نے اس میں حد سے تجاوز شروع کردیا اور بہت زیادہ دینے لگے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن جریج کہتے ہیں یہ آیت حضرت ثابت ابن قیس بن شماس کے بارے میں نازل ہوئی جنھوں نے ابن حزمہ کا باغ توڑا اور فرمایا آج میرے پاس جو کوئی آئے گا میں اُس کو دوں گا۔ چنانچہ صبح سے شام تک مسکینوں کو دیتے رہے یہاں تک کہ بال بچوں کے لئے ایک چھوارا بھی نہ بچا۔ اُس وقت عدم اسراف کا حکم ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ خیر خیرات میں اذن شرعی سے تجاوز مت کرو۔ آخر اہل و عیال کا بھی حق ہے۔ ادائے فرائض اور حقوق شرعیہ سے جو کچھ بچے اس کا صدقہ کرنا البتہ محمود ہے اسراف نہیں۔

تحقیق لاتسرفوا کے معنی مختلف طور پر بیان کئے گئے ہیں۔ ابن جریج نے بروایت عطاء بیان کیا ہے کہ ہر چیز میں اسراف مت کرو۔ ایاس ابن معاویہ کہتے ہیں کہ جس چیز میں حکم الٰہی سے تجاوز کرو وہ اسراف ہے۔ سدی کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے مال کو اس طرح مت دو کہ محتاج ہو کر بیٹھ رہو۔ سعید ابن مسیب اور محمد ابن کعب کا قول ہے کہ صدقہ دینے سے ہاتھ مت روکو لیکن اس صدقہ دینے میں پروردگار کی نافرمانی مت کرو۔ مقاتل کہتے ہیں کہ کھیتی اور چوپایوں میں بتوں اور شیطانوں کا حق مان کر اُن کو شریک نہ کرو۔ زہری کہتے ہیں اللہ کی

toobaafoundation.com

نافرمانی کے طور پر خرچ نہ کرو۔ ابن جریر نے عطار کی روایت کو پسند کیا ہے۔ لیکن شانِ نزول کے مناسب سدی کی تفسیر ہے۔

مقصودِ بیان انعاماتِ الٰہی کا ذکر، نیرنگیٔ قدرت کا اظہار، پھل کھانے کی عام اجازت، باغوں کے پھل توڑنے اور کھیتی کاٹنے کے دن کچھ نہ کچھ مسکینوں کو دے دینے کا حکم، کارِ خیر میں بھی حد سے تجاوز کرنے کی ممانعت، حقوق الناس کو اہل حسب مراتب ادا کرنے کی طرف لطیف اشارہ۔

وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ۭ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا

اسی نے بعض چوپائے بوجھ اٹھانے والے اور کچھ زمین سے لگے ہوئے (پستہ قد) پیدا کئے اللہ کی دی ہوئی روزی میں سے کھاؤ اور شیطان

خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ

کے قدم بہ قدم نہ چلو وہ تمہارا صریح دشمن ہے اللہ نے آٹھ قسم کے جانور (نر و مادہ ملا کر) پیدا کئے بھیڑ میں

الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ۭ قُلْ ءٰۗالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ

سے دو اور بکری میں سے دو اب (اے محمدؐ) پوچھو کہ اللہ نے ان دونوں کے نروں کو حرام

الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ نَبِّـُٔوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ

کیا ہے یا دونوں کی مادہ کو یا اس بچہ کو جو ان مادینوں کے پیٹ میں لپٹا ہوتا ہے اگر تم سچے ہو تو مجھے

كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ۭ قُلْ

دلیل سے بتاؤ اور دو (نر و مادہ) اونٹ کے پیدا کئے اور دو (نر و مادہ) گائے کے (اے محمدؐ) پوچھ کر

ءٰۗالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ

اللہ نے دونوں نروں کو حرام کیا یا دونوں مادینوں کو یا اس بچہ کو جو مادینوں کے پیٹ میں ہوتا ہے

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاۗءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِھٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰي عَلَي

جب تم کو اللہ نے اس کا حکم دیا تھا تو کیا اس وقت تم موجود تھے اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو لوگوں کو گمراہ کرنے کے

اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ۧ ع

لئے بلا تحقیق اللہ پر دروغ بندی کرے اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا

تفسیر اوپر کی آیات میں بیان فرمایا تھا کہ خدا تعالیٰ نے باغات اور ان کے اندر طرح طرح کے درخت اور مختلف پھل پیدا کئے اور سرسبز کھیتیاں پیدا کیں اور عام اجازت کھانے کی دی۔ اس آیت میں دوسرے انعام کا ذکر فرماتا ہے۔ مشرکین عرب کے نزدیک اونٹ

toobaafoundation.com

گائے بھیڑ بکری یہی چار قسم کے چوپائے حلال کرنے اور نیاز چڑھانے کے کام آتے تھے اور واقع میں بھی چوپایوں میں عموماً یہی کثیر الاستعمال ہیں۔ انہی کا گوشت عموماً کھایا جاتا ہے۔ مشرکین انہی میں ناجائز رسوم کو دخل دیتے تھے اس لئے خدا تعالیٰ نے ان آیات میں انہی چار چیزوں کی صراحت فرما دی۔

تحقیق حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں۔ حمولہ وہ بڑے اونٹ جن پر بوجھ لادا جاتا ہے اور فرش چھوٹے اونٹ (رواہ الحکم) کذا قال ابن عباس و مجاہد۔ لیکن علی بن طلحہ نے حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت بیان کی ہے کہ حمولہ تو اونٹ گھوڑے خچر اور گدھے ہیں بلکہ وہ تمام جانور جن پر بوجھ لادا جاتا ہے اور فرش سے مراد بھیڑیں اور بکریاں ہیں۔ ربیع بن انس، حسن بصری، ضحاک قتادہ وغیرہم کا قول ہے کہ حمولہ اونٹ و گائے ہیں اور فرش بکریاں۔ زجاج کہتے ہیں اہل لغت کا اجماع ہے کہ فرش چھوٹے اونٹوں کو کہتے ہیں۔ ابن جریر نے علی بن ابی طلحہ والی روایت کو پسند کیا ہے۔

ان چوپایوں کے کھانے کا حکم وجوبی نہیں بلکہ بطور اباحت کے ہے۔

شیطان کے قدموں کی پیروی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تم جو شیطانی اغواء میں آکر بعض چوپایوں کو حلال اور بعض کو حرام سمجھتے ہو اس کو چھوڑ دو یہ شیطان کا بہکاوا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے جو تمہارے لئے حلال کر دیا ہے اس کو کھاؤ اور شیطان سے ہوشیار رہو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ تمہارے باپ کو جنت سے نکالا، تم پر پاکیزہ گوشت کو حرام کیا جس کو تم نہیں کھاتے اور خون کو جمع کرکے اور اس کے ٹکڑے کاٹ کاٹ کر کھاتے ہو ایسا نہ کرو۔

نَبِّئُوْنِیْ کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم سچے ہو تو بتاؤ کہ یہ تحلیل و تحریم تم کس قاعدہ سے کرتے ہو۔ اگر نر ہونے کی وجہ سے تحریم کرتے ہو تو ہر نر حرام ہوا پھر بعض کی تخصیص کیوں کرتے ہو اور اگر مادہ ہونے کی وجہ سے حرمت ہے تو ہر مادہ حرام ہونی چاہیئے۔ تخصیص بعض کی کوئی وجہ نہیں اور اگر اشتمالِ رحم یعنی پیٹ کا بچہ ہونے کی وجہ سے حرمت ہے تو نر و مادہ دونوں حرام ہونے چاہئیں کیونکہ دونوں رحم کے اندر پیدا ہوتے ہیں۔

اَمْ کُنْتُمْ شُهَدَآءَ کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم اس تحریم و تحلیل کو قیاسی نہ مانو اور کہو کہ یہ تو اللہ کے حکم سے کی گئی ہے عقل و قیاس کو اس میں دخل نہیں اور چون و چرا کی گنجائش بالکل نہیں تو اس کا کوئی ثبوت پیش کرو۔ ثبوت دو ہی قسم کا ہو سکتا ہے یا حرمت و حلت کا علم رسول کی معرفت ہوا ہوگا تو اس کے تم قائل نہیں یا حق تعالیٰ نے بلاواسطہ تم کو اس کا حکم دیا ہوگا تو بتاؤ ایسا کب ہوا اور جب یقیناً ایسا نہ ہوا تو پھر کیوں اللہ پر بہتان تراشی کرتے ہو۔

مقصود بیان انعام خداوندی کا اظہار، اونٹ، گائے، بکری، بھیڑ وغیرہ چوپایوں کے کھانے کی اجازت، شیطان کے طریقوں پر چلنے کی ممانعت، اس طرف لطیف اشارہ کہ رسومِ جاہلیت گمراہ کن ہیں۔ نہ ان کے واسطے کوئی عقلی دلیل نہ شرعی برہان دعویٰ کو دلیل کے ساتھ پیش کرنے کا حکم۔ آیت میں ایک دقیق دلیل ہے اس بات پر کہ شرعی قواعد اصول پر مبنی ہیں۔ متفرق باتیں خلافِ قیاس و خارج از ضابطہ نہیں ہیں۔ ہر تحریم و تحلیل میں شرعی حکم ہی معتبر ہے۔ اس سے قیاس و اجتہاد کی حرمت مستنبط نہیں ہوتی۔ کیونکہ قیاس مجتہد باصل شرعی ہوتا ہے۔ خدا کا حکم نازل ہونے کی صرف دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں بلاواسطہ اور بالواسطہ۔ بلاواسطہ حکمِ الٰہی کا نزول ناممکن ہے۔ خود تراشیدہ کوئی حکم پیش کرنا اور اللہ کی طرف اس کو منسوب کرنا بدترین ظلم ہے۔ اس سے یہ بات بھی مستنبط ہوتی ہے کہ اگر شرعی مسئلہ لاعلمی کی حالت میں اپنی رائے سے بتا کر خدا کی طرف منسوب کرے تو یہ بھی قطعاً ناجائز ہے۔

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً

(اے نبی) کہہ دو کہ میرے پاس جو وحی آئی ہے اس میں کسی کھانے والے کے لئے سوا اس کے کسی چیز کے کھانے کی حرمت مجھے نہیں ملتی کہ مردار ہو

toobaafoundation.com

أَوْ دَمًا مَّسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ

یا خون	رواں ہو	یا سؤر کا گوشت ہو	کیونکہ یہ ناپاک ہے	یا وہ گناہ کا ذبیحہ ہو جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو

تفسیر یہ کلام سابق کا تکملہ اور تحریم و تحلیل کے متعلق عقیدۂ مشرکین کا رد ہے۔ اس آیت کے معانی مختلف طور پر بیان کئے گئے ہیں لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے ہم وہ شبہ بیان کر دیں جو بعض کوتاہ بین حضرات اس آیت سے کیا کرتے ہیں اور پھر اُس کا ازالہ کر کے صحیح مطلب بیان کر دیں۔

شبہ اس آیت میں صرف چار چیزوں کی حرمت کا بیان ہے۔ مُردار، جاری خون، سؤر کا گوشت، غیر اللہ کے نام کا ذبیحہ اور چونکہ اس آیت میں ان چیزوں کی حرمت لفظِ اِنَّمَا سے بیان کی گئی ہے جو لفظ حصر ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہی چار چیزیں شریعت اسلامیہ میں حرام ہیں۔ ان کے علاوہ کوئی چیز حرام نہیں اور نہ ان میں سے کوئی چیز حلال ہے۔ پھر وہ تمام محرمات جو اہل فقہ بیان کرتے ہیں کس طرح حرام سمجھی جا سکتی ہیں۔ نیز مُردہ مچھلی اور ٹڈی کیوں حلال کہی جاتی ہے حالانکہ میتہ ہے اور ہر میتہ حرام ہے۔

ازالہ یاد رکھنا چاہیے کہ آیت میں چند باتیں خاص طور پر قابل لحاظ ہیں :-
(۱) مشرکین کی از خود تحلیل و تحریم کا رد (۲) عَلٰی طَاعِمٍ کی قید (۳) اُوْحِیَ اِلَیَّ کا صیغہ یعنی ماضی کا صیغہ بولنا (۴) آیت کا مکی ہونا (۵) فَاِنَّہٗ رِجْسٌ سے تین اشیاء کی حرمت کی علت کا بیان کرنا اور غیر اللہ کے نام کے ذبیحہ کو فسق کہنا۔

اب چند سطور میں اس شبہ کا ازالہ کرتے ہیں :-

(۱) مشرکین نے کچھ چیزیں از خود حلال و حرام بنا رکھی تھیں جن کی تردید اوپر کی آیت میں مذکور ہو چکی۔ اس آیت میں اس تردید کا تکملہ مقصود ہے۔ یعنی رسول کو حکم ہوتا ہے کہ مشرکین نے جو بحیرہ سائبہ وغیرہ کو از خود حلال و حرام بنا رکھا ہے تم اُن سے کہہ دو کہ تحلیل و تحریم اشیاء کے لئے تمہارا اختراعی فیصلہ کافی نہیں ہے۔ وحی الٰہی میں تو تمہارے ان محرمات میں سے ایک کا بھی ذکر نہیں ہے۔ ہاں یہ چار چیزیں حرام ضرور ہیں پھر تم نے کیوں وحی الٰہی کے خلاف ان خود تراشیدہ محرمات کو حرام قرار دے لیا۔ حاصل یہ کہ مشرکین کے عقائد اور اُن کے حرام کردہ جانوروں کی تحریم کی تردید ہے نہ کہ کل محرمات کا بیان ہے۔

(۲) آیت میں عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُہٗ کا لفظ موجود ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اُس زمانہ میں اہل عرب جن جانوروں کو کھانے کے عادی تھے اُن میں سے حرام جانوروں کا بیان مقصود ہے نہ کہ کل دنیا کی چیزوں کی حرمت و حلت کا فیصلہ۔ اہل عرب اس وقت جہاں اور چیزیں کھایا کرتے تھے وہاں مُردار، خون، سؤر کا گوشت اور غیر اللہ کے نام کا ذبیحہ بھی کھاتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے ان چار چیزوں کی تحریم کر دی اور باقی وہ اشیاء جن کو وہ کھایا کرتے تھے بدستور حلال باقی رہنے دیں۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ دنیا کی اور کل چیزیں حلال ہیں۔ ہاں اس زمانہ میں عرب جن جانوروں کو کھانے کے عادی تھے ان میں سے اس وقت صرف یہ چار چیزیں حرام کر دی گئیں اور شراب وغیرہ کو حلال چھوڑ دیا گیا اور پھر کچھ زمانہ کے بعد اس کو بھی حرام کر دیا گیا۔

(۳) لفظ اُوْحِیَ ماضی کا صیغہ ہے اور آیت مکی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ مکہ کے اندر نزول آیت کے وقت صرف انہی چاروں چیزوں کی حرمت ہوئی۔ باقی اشیاء بدستور حلال چھوڑ دی گئی تھیں۔ پھر رفتہ رفتہ بضرورت اور چیزوں کی بھی حرمت ہو گئی۔ گویا لفظ اِنَّمَا سے جو حصر مستفاد ہوتا ہے وہ صرف اس وقت تک کی وحی کے لحاظ سے ہے نہ کہ آئندہ کے لئے بھی اس صورت میں دیگر آیات تفصیلیہ سے یہ آیت منسوخ بھی جائیگی۔

(۴) آیت میں مُردار، خون جاری اور سؤر کے گوشت کی تحریم کی علت یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ چیزیں ناپاک ہیں اور غیر اللہ کے نام کے ذبیحہ کو فسق یعنی گناہ کو جانور قرار دیا۔ چونکہ دنیا کی کل چیزیں بیان نہیں کی جا سکتی ہیں لہٰذا قرآن پاک نے چند چیزوں کی حرمت بیان کرنے کے بعد ایک

toobaafoundation.com

عام وقت بیان فرمادی ہے جس سے استفادہ اس طرف ہوگیا کہ ان کی حرمت یہ علت ہے۔ اب جہاں یہ علت ہوگی وہاں حرمت کا حکم بھی ہوگا۔ مَیْتَۃً مُردار میں مذکورہ ذیل جانور داخل ہیں باہم لڑکر یا کسی اور کا مارا ہوا جانور، پہاڑ سے یا بلندی سے گرا ہوا جانور، دریا یا کنوئیں میں، تالاب میں ڈوب کر مرا ہوا جانور، درندوں کا پھاڑا ہوا جانور، لٹھ سے مارا ہوا جانور، گلا گھونٹ کر مارا ہوا جانور یا کسی اور قسم کا مُردار بہر حال سب ناپاک ہیں اس لئے حرام ہیں۔ سوئر کا گوشت ناپاک ہے اس لئے حرام ہے۔ سوئر کی ہڈی، بال، کھال وغیرہ ناپاک ہیں اس لئے حرام ہیں۔ تمام وہ درندے جن کی کچلیاں ہوتی ہیں ناپاک ہیں اس لئے حرام ہیں۔ خون جاری ناپاک ہے اس لئے حرام ہے۔ شراب وغیرہ نشہ کی چیزیں ناپاک ہیں اس لئے حرام ہیں۔ ہر قسم کے سانڈ، مینڈھے، بکرے وغیرہ جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کئے جائیں چونکہ گناہ کے جانور ہیں اس لئے حرام ہیں۔

تلی اور کلیجی جاری خون نہیں اس لئے حرام نہیں۔ مردہ مچھلی، ٹڈی اور جھینگا وغیرہ چونکہ از روئے حدیث ناپاک نہیں۔ اس لئے حکم حرمت اُن کو شامل نہیں وغیرہ۔

بہترین حاصل جواب یہ ہے کہ اگر آیت میں عموماً سے قابل اکل حیوانات کا عموم مراد ہے تو ان کے بعد جو تحریم جانوروں کی کتاب و سنت سے ہوئی وہ بھی اسی میں داخل ہے اور اگر عموماً سے مراد کل مطعومات محرمہ ہیں خواہ وہ حیوان ہوں یا نہ ہوں تو وہ چیزیں جو بعد کو کتاب و سنت سے حرام قرار دی گئیں اس حکم میں شامل سمجھی جائیں گی۔

مقصودِ بیان اُن چیزوں کا بیان جو ابتدائے اسلام میں حرام کردی گئی تھیں۔ حرمت کی دلیل کی طرف نہایت بلیغ اشارہ۔ کفار کے مسلمات کی مدلل تردید۔ اس امر کی طرف لطیف ایماء کہ اشیاء کی تحلیل و تحریم انسانی دماغ کا کام نہیں۔ کسی کے اختراعی فیصلہ سے کوئی چیز حلال ہوجاتی ہے نہ حرام بلکہ تحلیل و تحریم اشیاء کے لئے وحی ربانی اور فیصلہ الٰہی کی ضرورت ہے۔ آیت میں باریک تلمیح اس طرف بھی ہے کہ احکام الٰہی بغیر علت و مصلحت و فوائد کے نہیں ہوتے اور نہ کوئی حکم شرعی خلاف عقل و قیاس اور فارغ مصلحت ہے بلکہ ہر حکم کی ایک عقلی بنیاد اور مخصوص مصلحت ہے۔

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

ہاں جو کوئی مجبور ہو نہ نافرمانی کرنے والا نہ ہو اور نہ حد (ضرورت) سے تجاوز کرنے والا (اس کے لئے یہ بھی جائز ہے) تو تیرا رب غفور رحیم ہے۔

تفسیر اس آیت میں حکم اول سے استثناء اور سہولت کا اظہار ہے۔ اوپر کی آیات میں چار قسم کی چیزوں کو کھانا حرام فرمایا گیا تھا کیونکہ وہ ناپاک اور خبیث تھیں۔ اب ضرورت و شدت بھوک کے وقت اُن کے کھانے کا جواز بیان فرمایا۔

اضطرار سے مراد شدت بھوک سے بیتابی ہے بشرطیکہ حرام کے علاوہ کوئی اور حلال چیز کھانے کو نہ ہو اور جان کے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہو۔ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ کا مطلب یہ ہے کہ اپنے جیسے دوسرے مضطر ولاچار پر زیادتی نہ کرے اور نہ سد رمق سے زائد کھائے کیونکہ جو شے بضرورت حلال ہوتی ہے وہ مقدار ضرورت پر ہی قاصر رہتی ہے۔

غَفُورٌ رَّحِيمٌ اس طرف اشارہ ہے کہ حرام کھانا تو بہر صورت ناجائز ہے لیکن شرط مذکورہ کے مطابق کوئی کھائے تو اس ارتکاب حرام کو خداتعالیٰ معاف فرمائے گا۔ کیونکہ وہ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ کوئی حکم مالایطاق نہیں دیتا اور نہ ناقابل برداشت حکم کی تعمیل پر مجبور کرتا ہے۔

مقصودِ بیان بوقت ضرورت اکل حرام کی اجازت۔ حق سے تجاوز کرنے اور اعتدال سے بڑھنے کی ضمنی ممانعت۔ اس بات کی طرف اشارہ کہ پروردگار تو درحقیقت خدا ہی ہے۔ رزق کو اس نے بقائے حیات کا ذریعہ بنایا ہے۔ لہٰذا حلال رزق پر اکتفا رکھنا چاہئیے لیکن چونکہ خدا اپنی مخلوق پر مہربان ہے اس لئے اگر شدت ضرورت کے وقت اس حکم کے خلاف کرنا پڑے گا تو وہ معاف کردے گا۔

toobaafoundation.com

وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ ۖ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا

یہودیوں پر ہم نے تمام ناخن والے جانور حرام کردیئے تھے اور گائے بکری کی چربیاں بھی

عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَا إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا أَوِ الْحَوَايَا أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۚ

سوائے اُس چربی کے جو پیٹھ پر لگی ہوئی ہو یا انتڑیوں میں ہو یا ہڈیوں سے ملی ہوئی حرام کردی تھیں

ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُم بِبَغْيِهِمْ ۖ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ○

یہ اُن کی شرارت پر ہم نے اُن کو سزا دی تھی اور ہم یقیناً سچے ہیں

تفسیر گزشتہ آیات میں عام مشرکوں کی تحلیل و تحریم کا بیان اور اُس کا رد ذکر کیا گیا ہے۔ مشرکوں کی تحلیل و تحریم کسی قاعدہ و ضابطہ کے تحت نہ تھی بلکہ طبع زاد اور خود اختراعی تھی۔ یہاں یہودیوں کی حرمت مخصوصہ کا خصوصی ذکر ہے کیونکہ یہودیوں کے لئے جن چیزوں کو حرام کیا گیا وہ خدا کی طرف سے کیا گیا تھا اور ایک ضابطہ کے تحت کیا گیا تھا اور اُن کے ظلم و بغاوت کی سزا میں یہ تحریم ہوئی تھی۔

ابن عباسؓ کے نزدیک ناخن والے جانور سے وہ جانور مُراد ہے جس کے کُھر چرے ہوئے ہوتے ہیں اور پنجہ کشادہ ہوتا ہے خواہ وہ مویشیوں میں سے ہو جیسے اونٹ، شترمرغ وغیرہ یا پرندوں میں سے ہو۔

چربی سے مُراد وہ چربی ہے جو اوجھ پر لپٹی ہوتی ہے۔ یہ چربی یہودیوں پر حرام کردی گئی تھی۔ البتہ وہ چربی جو پُشت سے لگی ہوئی ہو (اسی اور ابن جریج اور ابو صالح کے نزدیک دُنبے کی چکتی اس میں داخل ہے) یا وہ چربی جو آنتوں پر لپٹی ہو خواہ وہ آنتیں مینگنی والیاں ہوں یا نہ ہوں اور وہ چربی جو ہڈی سے وابستہ ہو یہ سب یہودیوں کے لئے جائز تھی۔

آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ یہودیوں کی ظلم و سرکشی کی وجہ سے ہم نے کُھر چرے جانور کا کھانا یا اس کو فروخت کرنا اور اُس کی قیمت کھانا حرام کردیا تھا۔ البتہ مخصوص قسم کی چربی حلال تھی جس کا ذکر آیت میں موجود تھا۔

وَإِنَّا لَصَادِقُونَ کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنے مذکورہ بیان اور ہر وعدہ وعید میں سچے ہیں۔ بعض مفسرین نے صادقون کے معنی عادلون بیان کئے ہیں۔ یعنی ہم نے جو اُن کو سزا دی ہے اس سزا دینے میں عادل ہیں۔ ابن جریر نے اس طرح مطلب بیان کیا ہے کہ اے محمد! ہم نے جو تم کو خبر دی کہ یہودیوں کی مخالفت و نافرمانی کی وجہ سے ہم نے یہ چیزیں اُن پر حرام کردی تھیں۔ یہی صحیح ہے یہ قول غلط ہے کہ یعقوب نے خود اپنے اوپر کچھ چیزیں حرام کرلی تھیں۔

فقہی مسئلہ جس چیز کا کھانا حرام ہے اس کی فروخت کرکے اُس کی قیمت کھانا یا کسی اور طرح اُس کا استعمال کرنا بھی حرام ہے کیونکہ رسول اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ اللہ یہودیوں پر لعنت کرے۔ اُن پر چربی حرام کردی گئی تھی مگر انھوں نے پگھلا کر اس کو فروخت کیا۔ ایک اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس نے مُردار کی چربی کا روغن کشتیوں پر کرنے اور اُس کو چراغوں میں جلانے کی بھی ممانعت کردی تھی۔

مقصودِ بیان یہودی بڑی سرکش قوم تھی۔ خدا تعالیٰ احکام اور اصولِ معاشرت و معیشت میں تنگی خواہ مخواہ نہیں فرماتا ہے بلکہ اقوام کی سرکشی اور مخالفت اس کا باعث ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ کا وعدہ اور وعید سچا ہے۔ اُس کے کسی قول میں دروغ محال ہے وغیرہ۔

toobaafoundation.com

فَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقُلْ رَبُّكُمْ ذُو رَحْمَةٍ وَاسِعَةٍ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُهُ عَنِ الْقَوْمِ

اس پر بھی اگر وہ تم کو جھٹلائیں تو تم کہدو کہ تمہارا رب بڑا وسیع رحمت والا ہے اُس کا عذاب مجرم قوم سے نہیں

الْمُجْرِمِينَ ○ سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا

ٹالا جاسکتا　اب مشرک کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے نہ ہمارے باپ دادا

وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ۚ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ ذَاقُوا بَأْسَنَا

نہ ہم کسی چیز کو حرام کہتے　اِسی طرح اُن سے پہلے لوگ بھی تکذیب کرتے رہے　یہاں تک کہ ہمارے عذاب کا مزہ چکھ لیا

قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا ۖ إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ

کہدو کیا تمہارے پاس اس کی کوئی سند ہے تو ہمارے سامنے لاؤ　بس تم (اپنے) خیال پر چلتے ہو اور نری

أَنْتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ ○ قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۖ فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ ○

اٹکلیں دوڑاتے ہو　کہدو کہ اللہ ہی کی دلیل پوری ہے　اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت کرتا

تفسیر فَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقُلْ رَبُّكُمْ ذُو رَحْمَةٍ وَاسِعَةٍ ج مطلب یہ ہے کہ اگر یہودی شریعت محمدیہ کو نہ مانیں اور رسول اللہ کی رسالت کی تکذیب کریں تو اے محمدؐ! تم اُن سے کہدو کہ خدا تعالیٰ کی یہ وسیع رحمت ہے کہ تم کو اس تکذیب کی فوری سزا نہ دی، بلکہ مُہلت دی کہ سوچ سمجھ کر غور کرکے ایمان لاسکو اور اگر اس مہربانی سے بھی فائدہ نہ اُٹھاؤ تو سمجھ لو کہ:-

وَلَا يُرَدُّ بَأْسُهُ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ ○ جس وقت عذاب الٰہی آئے گا تو پھر مجرموں کی رہائی ناممکن ہے۔

سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ۚ عموماً بد باطن کوتاہ فہم منکرین خدا جب دلیل سے عاجز آجاتے ہیں تو تقدیر کا مسئلہ اور مشیتِ الٰہی کی بحث نکال کھڑی کرتے ہیں اور کہنے لگتے ہیں کہ اگر ہمارے کام اللہ کو پسند نہ ہوتے اور اُس کی مرضی کے مطابق نہ ہوتے تو وہ ہم کو کرنے نہ دیتا ہم کو ایسے کام کرنے سے روک دیتا غرض ایسے لوگ مشیت اور مرضی میں فرق نہیں سمجھتے۔ کفارِ مکہ بھی دلائل سے عاجز آکر ایسا ہی کہتے تھے۔ اس آیت میں بطور پیشین گوئی پہلے ہی بتا دیا گیا کہ "کفار ایسے پوچ عذر پیش کریں گے اور کہیں گے کہ اگر اللہ کی مشیت نہ ہوتی تو نہ ہم شرک کرتے نہ ہمارے باپ دادا۔ وہ ہم کو روک دیتا۔ ہمارا شرک کرنا ہی اِس پر دلالت کرتا ہے کہ اُس کو ہمارے یہ افعال پسند ہیں۔ نیز اگر اُس کی منشا نہ ہوتی تو ہم کوئی چیز حرام نہ کرتے۔" اس بیہودگی آمیز قول کا رد خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ ذَاقُوا بَأْسَنَا ۗ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا ۖ إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنْتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ ○ جو کچھ اللہ کی مرضی تھی وہ تو اللہ کے پیغمبروں کے ذریعہ سے ظاہر کر چکا تھا اور لوگوں کو کامل اختیار دے دیا کہ نیک راہ اختیار کریں یا بُری راہ چلیں۔ البتہ یہ بتا دیا کہ نیک راہ چلنے والوں کا نتیجہ اچھا اور بُری راہ اختیار کرنے والوں کا نتیجہ بُرا ہوگا۔ اب جبکہ پیغمبر اللہ کی مرضی پر چلنے کی ترغیب دینے کے لئے دنیا میں آئے تو تم نے پیغمبروں کو جھٹلایا اور دیدہ و دانستہ بُری راہ اختیار کی تو وہ مجرم ٹھہرے اور خدا کی حجت اُن پر تمام ہوئی۔ قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۖ فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ ○ رہا مشیتِ الٰہی کا سوال وہ بالکل دوسری چیز ہے۔ مشیت کے واسطے مرضی لازم نہیں۔ تمام کام مشیت

toobaafoundation.com

کے موافق ہوتے ہیں لیکن مرضی کے مطابق نہیں ہوتے۔ اس میں شک نہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو سب راہ راست پر آجاتے لیکن اس نے چاہا کہ لوگ اپنی مشیت اور ارادہ سے راہ راست اختیار کریں۔ پھر بعضوں نے قصداً ہدایت اختیار کی اور رسولوں کو جھٹلایا اور دیدہ و دانستہ اپنے باطل خیالات پر چلے ان پر عذاب آنا چاہیے تھا۔

نکتۂ خاص هَلْ عِندَكُم مِّنْ عِلْمٍ الخ سے اس طرف اشارہ ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کی ہر ایک مشیت کی معرفت حاصل ہو اور اس کی مرضی کا بھی صحیح علم ہو اور پھر تمام امور کو مشیت کے سپرد کیا جائے اور کسی چیز کو خدا کی مشیت سے خارج نہ سمجھا جائے تو کوئی جرم نہیں بلکہ عین حق ہے مگر صرف اٹکل و تخمین سے بغیر یقینی علم کے اندھا دھند مشیت و مرضی میں فرق نہ کرتے ہوئے شرک و معاصی کو بھی دائرہ مشیت میں داخل کرنا باطل ہے۔

مقصودِ بیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آیت میں تسلی دی گئی ہے کہ ان تکذیب کرنے والوں کا فوری عذاب میں مبتلا نہ ہونا اس وجہ سے نہیں کہ تکذیب کی سزا ان کو نہیں ملے گی بلکہ محض اس لئے ہے کہ اللہ کی رحمت وسیع ہے اور ان کو ایمان و اسلام کا موقع دینا چاہتا ہے ورنہ عذاب تو ان پر ضرور آئے گا۔ خدا تعالیٰ باوجود مخلوق کی نافرمانی کے اپنی نعمت بند نہیں کرتا بلکہ حلم فرماتا ہے لیکن اس پر بھی اگر لوگ سرکشی جاری رکھتے ہیں تو بالآخر عذاب میں ماخوذ ہونا لازم ہے اور اس وقت پھر رہائی ناممکن ہے۔

آیت سَيَقُولُ الَّذِينَ الخ میں اس طرف اشارہ ہے کہ مشیت اور مرضی جدا جدا چیزیں ہیں۔ کفار دائرہ مشیت میں ہر چیز کو داخل کرکے جو یہ نتیجہ نکالنا چاہتے تھے کہ تمام معاصی و شرک بھی مرضی الٰہی کے مطابق ہے یہ نتیجہ غلط ہے۔ بندے پر واجب ہے کہ خدا کے حکم کی پابندی کرے اور اس کی مشیت سے نہ الجھے۔ کیونکہ مشیت الٰہی بندے کے علم سے خارج اور اس کے فہم سے بالاتر ہے۔

آیت میں ایک پیشین گوئی ہے جو حرف بحرف پوری ہوئی۔ شریعت حقہ کے مقابل میں اعتراضی دلائل پیش کرنا صرف اٹکل و تخمین پر مبنی ہوتا ہے۔ براہینِ کاملہ اور حجتِ تامہ خدا تعالیٰ پیش کر چکا۔

اللہ نے دنیا میں اپنے احکام و شرائع اور قوانین صرف تکمیل حجت اور کفار کے عذر کو دفع کرنے کے لئے نازل فرمائے۔ کوئی چیز خدا کی مشیت سے خارج نہیں۔ مگر اس سے ہر چیز کو خدا کی پسند کے موافق قرار دینا اور یہ کہنا کہ خدا ہی نے ہم سے نیک و بد کام کرائے غلط ہے۔ وغیرہ

قُلْ هَلُمَّ شُهَدَاءَكُمُ الَّذِينَ يَشْهَدُونَ أَنَّ اللَّهَ حَرَّمَ هَٰذَا ۖ فَإِن شَهِدُوا

کہہ دو کہ اپنے گواہ لاؤ جو گواہی دیں کہ اللہ نے یہ چیزیں حرام کردی ہیں پھر اگر وہ گواہی دے بھی

فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَالَّذِينَ لَا

دیں تو تم ان کے ساتھ گواہی نہ دینا اور نہ ان لوگوں کی خواہش پر چلنا جنہوں نے ہمارے احکام کی تکذیب کی ہے اور آخرت کا

يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَهُم بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُونَ ۝ ع

یقین نہیں رکھتے اور (مخلوق کو) اپنے رب کی برابر قرار دیتے ہیں

تفسیر کسی حکم کو خدا کی طرف منسوب کرنے کے صرف دو ہی وجوہ ہو سکتی ہیں یا عقلی اور نقلی۔ عقلی وجہ تو اوپر ذکر کردی گئی ہے اور اس کا رد بھی ہو گیا۔ یعنی کفار نے عقلی دلیل تو یہ پیش کی تھی کہ سب کچھ خدا کی مشیت سے ہوتا ہے۔ اگر وہ چاہتا تو ہم کو ان افعال سے روک دیتا اور چونکہ اس نے نہ روکا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ ہمارے افعال اور ہمارے خود ساختہ تحلیل و تحریم اس کو پسند ہے اور اس کے حکم سے ہیں۔ اس کا رد

toobaafoundation.com

اس طرح کر دیا کہ مرضی و مشیت میں فرق ہے۔ ہر مشیت کی چیز کو مرضی کے مطابق سمجھنا غلطی ہے۔ یہاں وجہ نقلی کو اور اس کے رد کو بیان فرماتا ہے۔ وجہ نقلی یہ ہو سکتی ہے کہ کچھ اہل علم انبیاء سے روایت کرتے ہوئے قائل ہوں کہ اللہ نے اس چیز کو حرام اور اس چیز کو حلال کیا ہے۔ لہٰذا ہم اس حکم کے موافق تحلیل و تحریم کے قائل ہیں۔ اس کے رد میں حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ۔

قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۔ اگر تمہارے پاس کوئی نقلی ثبوت ہو تو لاؤ اپنے علماء کو جو اس بات کی شہادت دیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو حرام قرار دیا ہے لیکن شہادت اہل ایمان کی ہونی چاہیئے۔ جو منکران دین ہیں ان کی شہادت ناقابل اعتبار ہے اسی لئے اس کے بعد رسول پاکؐ کو اور رسول کے واسطہ سے تمام امّت کو خطاب کر کے فرماتا ہے کہ:۔

فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ۝ اگر یہ لوگ، اس کی شہادت بھی دیں تو ان کی شہادت نہ مانو کیونکہ یہ خواہش کے بندے اور نفس پرست ہیں۔ حقانیت و خلوص ان کے اندر نہیں۔ ان کا ایمان نہ خدا پر ہے نہ روز آخرت کی سزا جزا پر نہ احکام الٰہی کو یہ ماننے والے ہیں۔ ان کے نزدیک تو خدا اور دوسرے اشخاص برابر ہیں۔ جس طرح یہ خدا کو تحلیل و تحریم کا مالک سمجھتے ہیں اسی طرح دوسروں کو بھی ارباب حرمت و حلت جانتے ہیں۔

مقصود بیان کسی عمل یا اعتقاد کے ثبوت کے لئے عقلی اور شرعی دلیل کی ضرورت ہے۔ بغیر کسی دلیل کے کوئی اعتقاد یا عمل باطل ہے۔ تحلیل و تحریم صرف خدا کا کام ہے۔ کوئی انسان نہ محلل ہو سکتا ہے نہ محرم۔ وغیرہ

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ

(اے نبی) کہہ دو کہ آؤ میں تمہیں سناؤں کہ تمہارے رب نے تم پر کیا چیزیں حرام کی ہیں وہ چیزیں یہ ہیں کہ اللہ کا کسی چیز کو شریک نہ کرو اور والدین

اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا

سے بھلائی کرو اور افلاس کی وجہ سے اپنے بچوں کو قتل نہ کرو ہم تم کو بھی رزق دیتے ہیں اور انھیں بھی اور

تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ

بیحیائی کی باتوں کے پاس بھی نہ جاؤ خواہ وہ کھلی ہوں یا چھپی اور جس جان کو (قتل کرنا) اللہ نے حرام کر دیا

اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ

ہے اس کو ناحق قتل نہ کرو۔ ان باتوں کا اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ تم سمجھو اور یتیم کے مال کے پاس

الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ

بھی نہ جاؤ مگر ایسی طور پہ جو بہتر ہو یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے اور ناپ تول انصاف کے ساتھ

بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا

پوری کرو ہم کسی شخص کو اس کی طاقت سے زائد تکلیف نہیں دیتے اور جب بات کہو تو حق کہو اگرچہ وہ قرابت دار

toobaafoundation.com

قُرْبٰی ج وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ط ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ لا

ہی ہو | اور اللہ کا | عہد پورا کرو | اسی کا اُس نے | تم کو حکم دیا ہے | تاکہ تم | نصیحت | پکڑو

تفسیر

گزشتہ آیات میں کفار کے خود ساختہ محرمات کی تردید اور ان کے عقیدہ کے خلاف دلائل قائم کرکے یہ ثابت کر دیا کہ تم تحریم و تحلیل کے مالک نہیں ہو لہٰذا تم کو اپنی طرف سے اشیاء کو حرام حلال کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ اب ان آیات میں فلاحِ دین و دنیا کے جو اصل الاصول ہیں اُن کو بیان فرماتا ہے اور بتانا چاہتا ہے کہ قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ درحقیقت قابلِ اجتناب اور واجب الترک تو یہ چیزیں ہیں۔ اچھا برا نتیجہ تو ان چیزوں کے ساتھ وابستہ ہے۔ یہ نو امور ہیں۔

(۱) اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا۔ کسی چیز کو اللہ کا شریک نہ بناؤ۔ یعنی قولی فعلی اور اعتقادی شرک سے پرہیز رکھو۔ کسی طرح کا ذاتی اور صفاتی شرک نہ کرو۔ عبادات و معاملات میں ہر قسم کے شرک جلی و خفی سے اجتناب کرو یعنی ہر نقل و حرکت، خواب و بیداری اور نشست و برخاست میں اللہ ہی کو مؤثر حقیقی اور مقصودِ اصلی سمجھو۔

(۲) وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا۔ ماں باپ سے پوری بھلائی کرو۔ ہر قسم کا اچھا سلوک اُن کے ساتھ کرو۔ یعنی ماں باپ کے ساتھ برا سلوک نہ کرنا ہی کافی نہیں ہے بلکہ ہر طرح کی نیکی کرنی واجب ہے۔ صحیحین میں ابن مسعودؓ سے روایت ہے۔ میں نے حضورؐ سے پوچھا سب سے افضل عمل کونسا ہے؟ فرمایا وقت پر نماز ادا کرنی۔ میں نے عرض کیا اس کے بعد کون؟ فرمایا والدین سے بھلائی کرنا۔

(۳) وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ط نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ۔ موجودہ افلاس یا خوفِ افلاس کی وجہ سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو کیونکہ ہم ہی تم کو بھی ہمیشہ روزی دیتے ہیں اور دینگے اور اُن کو بھی۔ اُن کو کھلانے پلانے اور ان کے شادی بیاہ کر لینے کے خوف سے قتل کر دینا حرام ہے۔ آیت میں اولاد سے مراد لڑکیاں ہیں۔ کیونکہ عرب کے بعض قبائل میں دستور تھا کہ جب لڑکی پیدا ہوتی تو اپنی ناداری کو دیکھتے ہوئے اُس کو قتل کر دیتے۔ پھر یہ بھی اندیشہ ہوتا کہ یہ پرائے گھر کی ہے یا ان کو دوسرے مردوں کے تصرف میں جانا ہے اور اس سے ہماری قومی توقیر میں کمی آئے گی۔ اس قسم کے دیگر خطرات بھی ہوتے تھے۔ بہرحال لڑکیوں کو قتل کر دیتے تھے۔ صحیحین میں ابن مسعودؓ سے مروی ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! سب سے بڑا جرم کونسا ہے؟ فرمایا اس خوف سے اپنی اولاد کو قتل کر دینا کہ وہ رزق میں تیرے ساتھ شریک ہو جائیگی۔

(۴) وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ۔ کسی طرح کی بے حیائی کی بات نہ کرو۔ نہ چھپ کر نہ کھلم کھلا۔ ابن مسعودؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ غیرت والا کوئی نہیں۔ اسی بنا پر اُس نے خفیہ و ظاہر فواحش کو حرام کر دیا۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے حضورؐ نے فرمایا تم لوگ سعد کی غیرت سے تعجب کرتے ہو۔ قسم ہے اللہ کی میں سعد سے زیادہ غیرت والا ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ غیرت والا ہے۔ اسی وجہ سے اُس نے خفیہ و ظاہر فواحش کو حرام کر دیا ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ دورِ جاہلیت میں لوگ خفیہ زنا کرنے میں مضائقہ نہیں سمجھتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے پوشیدہ و علانیہ زنا کو حرام کر دیا۔

(۵) وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ط ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ کسی شخص کو ناحق قتل نہ کرو۔ جس کو قتل کرنا خدا نے حرام کر دیا ہے اُس کا خون نہ بہاؤ۔ مطلب یہ ہے کہ شرعاً جس کو قتل کرنا جائز ہے اُس کے قتل میں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ باقی اس کے علاوہ کسی کو قتل کرنا جائز نہیں۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضا اور حضرت ابن مسعودؓ سے صحیح مسلم میں مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ مسلمان کا قتل سوائے تین اسباب کے اور کسی صورت سے جائز نہیں۔ یا تو شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کرے یا کسی کو حاصل کرے یا دین کو چھوڑ کر مرتد ہو جائے۔ حضرت عثمانؓ کو جب لوگ شہید کرنے لگے تو آپ نے فرمایا قسم ہے خدا تعالیٰ کی کہ میں نے زمانہ جاہلیت یا اسلام میں کبھی زنا نہ کیا اور نہ دین کو بدلنا چاہا اور نہ میں نے کسی کو قتل کیا۔ پھر تم لوگ مجھے کیوں قتل کرتے ہو۔

toobaafoundation.com

(۶) وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۔ یتیم کے مال میں کوئی ایسا تصرف نہ کرو جو اس کے لئے نقصان دہ ہو بلکہ اس طرح تصرف کرو جو مفید اور مصلح ہو اور یہ سلسلۂ اصلاح و افادہ یتیم کے بالغ ہونے تک جاری رکھو۔ جب وہ بالغ ہو جائے تو اس کا مال اس کے سپرد کر دو۔

(۷) وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۔ ناپ تول میں کمی نہ کرو۔ یعنی ناپ تول کے صحیح رکھنے کی نیت رکھو اور بقدرِ امکان کمی بیشی نہ کرو اور اگر باوجود نیت درست رکھنے کے ناپ تول میں کمی بیشی ہو جائے تو اس کا مواخذہ نہ ہوگا۔

(۸) وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۔ بات سچی اور انصاف کی کہو۔ خواہ تمہارے قرابت داروں کا ہی اس میں نقصان ہو۔ کسی کی رُو رعایت نہ کرو۔

(۹) وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ۔ قول و قسم اور وعدوں کو پورا کرو اور عہدِ الٰہی کو وفا کرو۔ خلاصہ یہ کہ احکامِ مندرجہ بالا کی تکمیل و تعمیل کرو۔

ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ○ انہی کی خدا نے تم کو نصیحت کی ہے اور یہی قواعد واجب العمل ہیں۔

مقصودِ بیان شرک کی ممانعت۔ ماں باپ سے اچھا سلوک کرنے کا حکم۔ اس بات کی طرف ایماء کہ رازق خدا تعالیٰ ہے۔ اُسی کے ہاتھ میں کل عالم کا رزق ہے۔ لہٰذا کسی کو یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ فلاں شخص کا رزق ہمارے ہاتھ میں ہے ہم نہ دیں گے تو وہ بھوکا مر جائے گا۔ ہر قسم کی بے حیائی کی ممانعت۔ خونِ ناحق کی حرمت۔ یتیم کے مال کو خُرد بُرد کرنے کی بندش۔ اس امر کی طرف اشارہ کہ جہاں تک ممکن ہو یتیم کی بہبودی کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اس بات کی جانب ایماء کہ جوان ہونے کے بعد یتیم کا مال (بشرط عقل و فہم) اُس کے سپرد کر دینا چاہیئے۔ ناپ تول کو پورا کرنے کا حکم۔ اس بات کی صراحت کہ آدمی مکلف بقدرِ طاقت ہے جو بات طاقت سے خارج اور امکان سے باہر ہے اُس کے کرنے پر آدمی شرعاً مجبور بھی نہیں۔ بلا رُو رعایت سچی بات کہنے کا امر۔ ایفائے وعدہ اور عبادات و معاملات میں تکمیلِ فرض کا حکم۔ وغیرہ

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ

اور یہ بھی (ارشاد) کہ یہ میرا سیدھا راستہ ہے اسی پر چلو دوسرے راستوں پر نہ چلو ورنہ وہ راستے تم کو اللہ کے

عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○

راستہ سے جدا کر دیں گے اسی کا تم کو اللہ نے حکم دیا ہے تاکہ تم (نافرمانی سے) بچو

تفسیر وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا الخ۔ یعنی ان نو امور پر کاربند ہونا اور ہدایت مذکورہ پر عمل کرنا اللہ تک پہنچانے والا اور زندگی کو پاکباز بنانے والا سیدھا راستہ ہے۔ لہٰذا اس پر چلو اور سب ان امور پر متفق رہو۔ اِدھر اُدھر پگڈنڈیوں پر مارے مارے نہ پھرو۔ کسی کو حلال اور کسی کو حرام اپنی طرف سے نہ کرو اور نہ نتیجہ یہ ہوگا کہ تم میں پھوٹ پڑ جائے گی۔ ہر ایک کا راستہ جدا اور شاہراہِ عمل علیحدہ ہوگی اور راہِ خدا سے سب بھٹک جاؤ گے اور سیدھے سادے دین سے بہک جاؤ گے۔ علی بن طلحہؓ نے بروایت ابن عباسؓ بیان کیا ہے کہ اس آیت میں نیز اسی طرح دیگر آیات میں خدا تعالیٰ نے مومنوں کو اتحاد و اتفاق کا حکم دیا اور اُن کو اختلاف و پھوٹ سے منع کیا اور آگاہ کر دیا کہ تم سے اگلے لوگوں کی تباہی کا سبب بھی یہ تھا کہ انھوں نے اللہ کے دین میں جھگڑے اور بحثیں نکال کھڑی کی تھیں۔ مجاہد اور دیگر سلف صالحین سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ کذا ذکرہ الحافظ ابن کثیر۔ ابن عطیہ نے فرمایا کہ پراگندہ راہوں میں کوئی تخصیص نہیں خواہ وہ یہودیت کی راہ ہو یا عیسائیت کی یا دیگر مذاہب کی یا اسلام کے دیگر مبتدع فرقوں کی۔

قتادہ نے فرمایا کہ لوگو آگاہ رہو کہ سبیلِ الٰہی تو ایک مستقیم راہ ہے جو جنت تک پہنچاتی ہے اور یہی راہِ جماعت ہے اور ہوشیار رہو کہ ابلیس

toobaafoundation.com

نے متفرق راہیں نکال لی ہیں اور وہ سب گمراہی کی راہیں ہیں۔ اُن کی انتہا دوزخ ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے ایک سیدھا خط کھینچا اور فرمایا یہ تو راہ الٰہی ہے جو راست و مستقیم ہے پھر اس خط کے دائیں بائیں بہت سی لکیریں کھینچیں اور فرمایا یہ بہت سی ٹیڑھی راہیں ہیں جن میں سے کوئی راہ ایسی نہیں جس پر کوئی شیطان نہ بیٹھا ہو۔ وہ شیطان اسی کج راہ کی طرف بلاتا ہے۔ پھر حضورؐ نے یہی آیت تلاوت فرمائی (رواہ النسائی و احمد والحاکم والبزار وابن المنذر وابن مردویہ وغیرہم)

مقصودِ بیان امور مذکورہ آیات بالا پر عمل کرنے کی بلیغ پیرایہ میں تاکید۔ دین اسلام کی حقانیت اور دیگر مذاہب کے بطلان کی صراحت راہِ اسلام کے سیدھا ہونے کی نص۔ اتحاد و اتفاق کی تعلیم اور نفاق و انقلاف کی ممانعت۔ مختلف پراگندہ اور ٹیڑھے رستوں سے بچنے کی ہدایت۔ راہ جماعت کو جو کہ راہِ مستقیم ہے اور منزل مقصود تک پہنچا دینے والی ہے اختیار کرنے کا حکم۔ وغیرہ

ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ

پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب عنایت کی جو نیکی کرنے والوں کے لیے تکمیلِ نعمت تھی اور ہر ضروری چیز کی تفصیل تھی

وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَاۗءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝

اور ہدایت و رحمت تھی تاکہ لوگ اپنے رب سے ملنے کا یقین کریں

تفسیر یعنی احکامِ مذکورہ کی تعمیل صرف اُمتِ محمدیہ پر ہی واجب نہیں ہے بلکہ ہم ہمیشہ انبیاء کی معرفت اچھے بُرے اور نیک و بد احکام کی صراحت کرتے رہے ہیں اور نہ یہ قرآن کوئی نئی کتاب الٰہی ہے بلکہ اس سے پہلے بھی مختلف انبیاء پر ہدایتِ خلق کے لئے آسمانی کتابیں آتی رہی ہیں۔ چنانچہ موسیٰ کو ہم نے ایک کتاب دی تھی جو نیکوں اور نیکوکاروں کے لئے نا تمام و ناقص نہ تھی بلکہ دینی ضروریات اس میں سب موجود تھیں۔ اور معاشرت و اخلاق کے تمام ضروری احکام و قواعد اس میں مذکور تھے اور لوگوں کی نجاتِ آخرت و سہولت دنیوی کے لئے ہدایت و رحمت تھی۔ تاکہ لوگوں کو اُس کتاب کی تعلیم و قواعد ہدایت دیکھ کر اللہ کے پاس جانے کا یقین ہو جائے۔

حسن بصری اور مجاہد کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں نیک و بد دونوں طرح کے لوگ تھے اور توریت نیکوں یعنی مومنوں کے لئے نعمتِ کاملہ تھی۔ اس لئے آیت میں تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ فرمایا۔ گویا اَلَّذِيْٓ اَحْسَنَ سے مومنین مراد ہیں۔ ابن کثیر نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ چونکہ نیکوں نے اطاعتِ الٰہی اور عبادت میں فرماں پذیری کی تھی۔ اُس کے صلہ میں خدا تعالیٰ نے اُن کو توریت عطا فرمائی ہے۔ ربیع بن انس کہتے ہیں کہ آیت کا مطلب اس طرح ہے کہ خدا تعالیٰ نے جو کچھ اُن کو عطا فرمایا یعنی جو شریعت اُن کو عطا کی تھی اُس پر عمل کرنے میں انھوں نے درجۂ احسان کو ملحوظ رکھا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ مطلب اس طرح ہے جس نے مرتبۂ احسان کے موافق فرماں برداری کی آخرت میں اُس کے واسطے اللہ نے پورا اجر عطا کیا۔ ابن جریر نے الذی کو مصدریہ قرار دیا ہے گویا علی الذی احسن کے معنی علی احسانہ کے ہیں۔

مقصودِ بیان بحسن اسلوب قرآن کی حقانیت و صداقت کی نمائش۔ اس امر کی صراحت کہ توریت ناقص نہ تھی بلکہ دینی ضروریات اور معاشرتی قوانین اور دیگر معاملات اس میں تفصیل وار مکمل طور پر موجود تھے۔ اس امر کی ضمنی وضاحت کہ توریت نعمت اور رحمت ضرور تھی مگر انہی لوگوں کے لئے رحمت تھی جو نیکوکار اور اطاعت شعار تھے۔ جو ازلی شقی اور نافرمان تھے ان کو توریت سے کچھ فائدہ حاصل ہونا ناممکن تھا۔ وغیرہ۔

toobaafoundation.com

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ اَنْ

اور یہ بھی ایک برکت والی کتاب ہے ہم نے اس کو اتارا ہے تم اس پر چلو اور (نافرمانی سے) بچو تاکہ تم پر رحم کیا جائے (تاکہ تم یہ نہ)

تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۪ وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ

کہنے لگو کہ بس کتاب تو ہم سے پہلے دو ہی گروہوں پر اتاری گئی تھی اور ہم ان کے پڑھنے پڑھانے سے

لَغٰفِلِيْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ

بالکل بے خبر تھے یا یہ کہنے لگو کہ اگر ہم پر یہ کتاب اتاری جاتی تو ہم ضرور ان سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے سو تمہارے

جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ

رب کی طرف سے تم پر دلیل اور ہدایت و رحمت آ پہنچی تو اب اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جس نے اللہ کی آیتوں

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ۭ سَنَجْزِي الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا

کی تکذیب کی اور ان سے کترایا جو لوگ ہماری آیتوں سے کتراتے ہیں ہم ان کے کترانے کی پاداش میں

سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ۝

ان کو بری مار کی سزا دیں گے

تفسیر

طائفتین یعنی دو گروہوں سے مراد یہودی اور عیسائی ہیں جن پر توریت و انجیل نازل ہوئی تھی۔ رہی زبور تو وہ درحقیقت چند نصائح و واعظ کا مجموعہ تھی۔ کوئی جدید مجموعۂ قوانین نہ تھی بلکہ انہی احکام و شرائع کی مؤید تھی جو توریت میں مذکور تھے۔ ابن عباس، سدی اور مجاہد و قتادہ وغیرہم کا یہی قول ہے۔ اہل عرب کا عموماً یہود و نصاریٰ سے اختلاط اور میل جول تھا۔ بہت سے یہودی اور عیسائی جزیرۂ عرب میں آباد تھے لیکن انجیل و توریت کی اصلی زبان عربی نہ تھی اس لئے عام عرب اس کو نہیں سمجھ سکتے تھے۔ اس کے علاوہ عیسائیت اور یہودیت کچھ تبلیغی مذہب بھی نہ تھے کہ تمام دنیا کے لوگوں پر ان کا ماننا اور ان پر عمل کرنا واجب ہوتا۔ لہٰذا اگر قرآن پاک نازل نہ ہوتا تو ممکن تھا اہل عرب بطور عذر کہہ سکتے کہ اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ۔ چونکہ کتب متقدمہ ہم سے پہلے یہودیوں اور عیسائیوں پر نازل ہوئی تھیں اور ہم ان کتابوں کی زبان سے ناواقف تھے اور وہ تبلیغی عمومی مذاہب نہ تھے کہ ہم پر ان کی زبان کا پڑھنا اور سیکھنا واجب تھا۔ اس لئے ہم کو احکام الٰہی کا کیا علم ہو سکتا تھا۔

اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ۔ اگر بنی اسرائیل کی طرح ہماری ہدایت کے لئے کوئی کتاب نازل ہوتی تو ہم ان سے زیادہ ہدایت یافتہ ہو جاتے۔ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اب تمہارے لئے کوئی عذر باقی نہیں۔ دیکھو یہ بابرکت اور پُر رحمت کتاب ہم نے نازل کر دی۔ لہٰذا اس کے احکام و قوانین پر چلو اور کفر و معاصی سے پرہیز کرو۔ اس میں تمام ضوابط و احکام کا بیان موجود ہے اور یہ محض خدا کی رحمت ہے۔

toobaafoundation.com

فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ۗ سَنَجْزِي الَّذِينَ يَصْدِفُونَ عَنْ آيَاتِنَا سُوءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوا يَصْدِفُونَ ۝ پس اس سے رُوگردانی کرنی اور دوسروں کو روکنا اور اس کو سچا نہ ماننا سخت ترین عذاب کا موجب ہے۔

مقصودِ بیان اتمامِ حجت، تبلیغ کی تکمیل۔ اس بات کی طرف اشارہ کہ کتبِ سابقہ کے احکام عمومی نہ تھے۔ اس امر کی طرف ایماء کہ اہل زبور کا کوئی مستقل گروہ نہ تھا بلکہ وہ بھی یہودیت کی ایک شاخ تھی۔

اس امر کی صراحت کہ اسلام درحقیقت دو چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ اوامر کی تعمیل اور ممنوعات سے اجتناب یعنی احکام و قوانین پر چلنا اور کفر و معاصی سے پرہیز رکھنا۔

اس بات کی وضاحت کہ قرآن پاک میں تمام ضروری قوانین و احکام کا بیان ہے اور انسانوں کے لئے یہ ہدایت کاملہ ہے اور یہ محض خدا کی رحمت ہے۔ نہ ہمارا کوئی استحقاق تھا نہ خدا پر واجب تھا۔ وغیرہ

هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا أَن تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ رَبُّكَ أَوْ يَأْتِيَ بَعْضُ آيَاتِ

کیا یہ اسی کے منتظر ہیں کہ اُن کے پاس فرشتے آموجود ہوں یا تمہارا رب آجائے یا تمہارے رب کی کوئی نشانی

رَبِّكَ ۗ يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ لَا يَنفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ

آجائے جس روز تمہارے رب کی کوئی نشانی آجائے گی تو کسی ایسے شخص کو اُس کا ایمان لانا سُودمند نہ ہوگا جو پہلے سے ایمان

مِن قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا ۗ قُلِ انتَظِرُوا إِنَّا مُنتَظِرُونَ ۝

نہ لایا تھا یا ایمان کی حالت میں اُس نے کوئی نیکی نہ کی تھی کہہ دو کہ تم منتظر رہو ہم بھی منتظر ہیں

تفسیر آیت کا مطلب بیان کرنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہ بتا دیں کہ بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ سے کیا مراد ہے۔ اکثر اہلِ تحقیق کا قول ہے کہ بعض آیات سے مراد مغرب کی طرف سے آفتاب کا طلوع ہونا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت اس وقت تک بپا نہ ہوگی جب تک مغرب کی طرف سے آفتاب کا طلوع نہ ہوگا پھر جب لوگ اس کو دیکھیں گے تو روئے زمین کے لوگ مسلمان ہو جائیں گے لیکن یہ وہ وقت ہوگا کہ جو شخص اس نشانی سے پہلے ایمان نہ لایا ہوگا اس کو اس وقت ایمان لانا سودمند نہ ہوگا (رواہ البخاری و بقیۃ الجماعۃ)

بخاری کی دوسری روایت میں اتنا زائد ہے کہ پھر حضورؐ نے یہ آیت هَلْ يَنظُرُونَ الخ تلاوت فرمائی۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جس نے مغرب سے آفتاب طلوع ہونے سے پہلے توبہ کی اُس کی توبہ قبول ہوگی (رواہ ابن جریر ولیس فی الکتب الستۃ واسنادہ جید) حضرت حذیفہ بن السید غفاریؓ سے مروی ہے کہ ایک روز ہم قیامت کا ذکر کر رہے تھے۔ یکایک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے غرفہ مبارک سے چہرۂ مبارک باہر نکال کر فرمایا۔ قیامت قائم نہ ہوگی جب تک تم دس نشانیاں نہ دیکھ لوگے۔ آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا اور دخان اور دابۃ الارض اور یاجوج ماجوج کا خروج اور عیسیٰ ابن مریم کا نزول اور دجّال کا ظہور اور تین اطراف میں زمین کا دھنسنا۔ ایک مشرق میں ایک مغرب میں اور ایک جزیرۂ عرب میں اور عدن کے غار سے آگ کا نکلنا جو لوگوں کو ہانک کر چلائے گی۔ لوگ جہاں رات گزاریں گے وہ وہاں رات کو ساتھ رہے گی اور جہاں دوپہر کو ٹھہریں گے وہ وہاں دوپہر کو ساتھ رہے گی (رواہ احمد والمسلم واہل السنن الاربعہ)

حضرت ابوسعید خدریؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ کے متعلق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

toobaafoundation.com

وہ نشانی مغرب سے آفتاب کا طلوع ہے۔ سار یہ اور عبدالرحمٰن بن عوف اور عبداللہ بن عمرو ابن عاص سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ہجرت کے دو معنی ہیں۔ ایک تو گناہوں سے ہجرت یعنی ترک گناہ۔ دوسرے اللہ اور اُس کے رسول کی طرف ہجرت کرنی ہر چیز کو چھوڑ کر۔ اور یہ ہجرت منقطع نہ ہوگی۔ جب تک کہ توبہ قبول ہوگی اور توبہ اُس وقت تک برابر قبول ہوگی کہ آفتاب اپنے ڈوبنے کی جگہ سے طلوع کرے پھر جب آفتاب مغرب سے برآمد ہوگا تو ہر دل پر مہر ہو جائے گی۔ اُس عقیدہ کے موافق جو اُس کے اندر ہوگا۔ اور لوگوں کو اُن کے اعمال بس کریں گے یعنی طلوع آفتاب از مغرب کے بعد نہ کوئی نیا ایمان قبول ہوگا نہ کوئی نیا عمل۔ قال الحافظ ابن کثیر رواہ احمد باسناد حسن ولم یخرجہ احد من اصحاب الستۃ۔ ابن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے کہ جس نشانی پر اعمال ختم ہوں گے وہ مغرب سے طلوع آفتاب ہے۔ کمالین میں بیان کیا گیا ہے کہ بعض مفسرین کے نزدیک بعض آیات سے مراد عام ہے۔ خواہ دخان ہو یا دجال یا دابۃ الارض کیونکہ ابن جریر نے باسناد جید حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت بیان کی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تین باتیں ہیں جب وہ ظاہر ہوں گی تو ایسے کسی شخص کو اُس کا ایمان مفید نہ ہوگا جو پہلے سے ایمان نہ لایا ہوگا اور نہ کسی کو اُس کی بھلائی مفید ہوگی جس نے ایمان کے ساتھ اس سے پہلے نیکی نہ کی ہوگی اور وہ نشانیاں طلوع آفتاب از مغرب خروج دجال اور ظہور دابۃ الارض ہے۔ وقد رواہ احمد ومسلم والترمذی وابن مردویہ۔

بہر حال روایات سے پتہ چلتا ہے کہ بعض آیات سے مراد وہی آیات ہیں جو قرب قیامت میں نمودار ہوں گی۔ اگرچہ قوی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ صرف طلوع آفتاب از مغرب ہی مراد ہے۔

اب ہم آیت کا مفصل مطلب اور سلسلۂ ارتباط ظاہر کرتے ہیں۔ جب آیات مذکورۂ بالا میں توحید کے مضامین قرآن کی حقانیت کا اثبات ہر قسم کے شکوک کا ازالہ آخرت کی جزا سزا کا نقشہ اور تمام ترغیبی و ترہیبی صورتوں سے اتمام حجت کر دیا گیا اور پھر بھی کفار اِن سنگدل ایمان و اسلام کی طرف مائل نہ ہوئے تو اب ارشاد فرماتا ہے کہ:-

هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا أَن تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ رَبُّكَ أَوْ يَأْتِيَ بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ ط ان لوگوں کو اب اور کسی بات کا تو انتظار معلوم نہیں ہوتا۔ کیا اب اس انتظار میں ہیں کہ نزع کی حالت ہو جان نکل رہی ہو۔ موت کے فرشتے سامنے آجائیں۔ علامات موت ظاہر ہو جائیں اس وقت یہ ایمان لائیں یا خدا تعالیٰ خود قیامت کے دن ان کے سامنے آجائے اور خلائق کا فیصلہ کرے۔ تفسیر ابن مسعود قتادہ مقاتل۔ اس وقت یہ ایمان لائیں یا کم از کم مقدمات قیامت آجائیں۔ عمومی موت کے آثار و مبادی رونما ہو جائیں اس وقت یہ ایمان لے آئیں۔ حالانکہ جب موت عمومی کے آثار عمومی اور مقدمات قیامت ظاہر ہو جائیں گے تو جو لوگ پہلے سے ایمان نہ لائے اُن کو فوری ایمان لانا مفید نہ ہوگا اور جن لوگوں نے ایمان و اسلام کے ساتھ پہلے سے نیک عمل نہ کئے تھے اُن کو اُس وقت نیک عمل کرنا سود مند نہ ہوگا۔ لہٰذا اے نبی تم اُن کو اسی انتظار میں رہنے دو۔ اُن سے کہہ دو کہ تم یوں ہی (ہاتھ پر ہاتھ رکھے) تکتے رہو ہم بھی منتظر ہیں (مگر عمل بھی کرتے ہیں)

مقصود بیان بہترین طریقۂ تبلیغ، ایمان یاس کے غیر مفید ہونے کی صراحت۔ کفار کی حماقت و بیوقوفی کی تصویر کشی۔ اِس بات کی طرف ضمنی اشارہ کہ جہاں تک ہو سکے جلد از جلد نیک عمل کرنا چاہیئے ورنہ معلوم نہیں کب موت آجاتی اور توبہ مفید نہ ہو۔ وغیرہ۔

إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ ۚ إِنَّمَا

جن لوگوں نے اپنے دین میں فرقے بنالئے اور گروہ گروہ بن گئے تمہیں اُن سے کچھ کام نہیں اُن کا معاملہ

أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ○

تو بس اللہ کے حوالے ہے وہی ان کو بتادے گا جیسا کچھ وہ کرتے تھے

toobaafoundation.com

تفسیر مجاہد، ضحاک، قتادہ، سدی اور ابن عباس وغیرہم سے مروی ہے کہ یہ آیت یہود و نصاریٰ کے متعلق نازل ہوئی۔ لیکن ابوہریرہؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت اسی امت کے گمراہ فرقوں کے بارے میں ہے۔ دونوں روایتوں میں توفیق کی یہ صورت ہے کہ آیت تو درحقیقت یہودیوں اور عیسائیوں کے متعلق ہی نازل ہوئی۔ لیکن اس امت کے اہلِ بدعت و ضلالت اور فرقہ پرست بھی اس میں شامل ہیں۔ گویا اس آیت میں تعلیم دی گئی ہے کہ مسلمانوں کا ایک کلمہ اور ایک جماعت ہونی چاہیئے۔ باہم تفرقہ اور پھوٹ نہ ہونی چاہیئے۔ دین کے ٹکڑے ٹکڑے نہ کرنا چاہیئے اور نہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا اُن سے کوئی تعلق ہوگا وہ ملتِ اسلامیہ سے خارج سمجھے جائیں گے۔

معاویہ سے مروی ہے کہ حضور والا نے ایک روز کھڑے ہوکر تقریر فرمائی اور ارشاد فرمایا۔ تم سے پہلے اہل کتاب تو بہتر فرقے ہوگئے اور یہ امت عنقریب بہتّر فرقے ہوجائے گی۔ جن میں سے بہتّر فرقے دوزخ میں جائیں گے اور ایک فرقہ جنت میں جائے گا اور وہ فرقہ جماعت ہے (رواہ ابوداؤد والترمذی)

عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلعم نے فرمایا بنی اسرائیل کے بہتّر فرقے ہوگئے۔ وہ سب دوزخ میں جائیں گے سوائے ایک فرقے کے۔ لوگوں نے عرض کیا حضورؐ وہ (نجات پانے والا) کونسا فرقہ ہے؟ ارشاد فرمایا جو اُس طریقہ پر ہوگا جس پر میں اور میرے اصحاب ہیں۔
(رواہ الترمذی واخرجہ الحاکم وصححہ)

عرباض بن ساریہ سے مروی ہے ایک روز رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو فجر کی نماز پڑھائی۔ پھر ہم کو ایسی پاکیزہ نصیحت فرمائی... کہ آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور دل دہل گئے۔ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ! یہ تو رخصتی نصیحت معلوم ہوتی ہے۔ لہٰذا حضورؐ ہم کو کچھ وصیت فرمائیں۔ ارشاد فرمایا۔ میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ سے ڈرتے رہو اور حاکم کی فرمانبرداری کرتے رہو خواہ وہ کوئی حبشی غلام ہو کیونکہ جو شخص تم میں سے زندہ رہے گا وہ عنقریب بہت اختلاف دیکھے گا پس اُس وقت تم پر لازم ہے کہ میری سنت اور میرے خلفائے راشدین مہدیین کی سنت پر کاربند رہو اور دانتوں سے اُس کو خوب مضبوط پکڑے رہو اور بدعتوں سے بچتے رہو (دین میں نکالی ہوئی ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے (ہٰذا الحدیث فی المصابیح) غرض جن لوگوں نے دین میں پھوٹ ڈالی اور فرقہ فرقہ ہوگئے اُن سے اپنے رسول کو بری فرمادیا۔

آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَكَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ جن لوگوں نے دین میں پھوٹ ڈال کر ٹکڑے ٹکڑے کرلئے اور فرقے فرقے بن گئے اُن کا تم سے کوئی تعلق نہیں تم اُن سے تعرض نہ کرو خدا پر چھوڑ دو۔ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ یُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ○ ان کا رجوع خدا کی طرف ہے۔ وہی اُن کے اعمال کا اظہار کرے گا اور اُن کی پاداش دے گا۔

مقصودِ بیان فرقہ پرستی کی مذمت اور فرقہ پرستوں کو وعید، اس امر کی صاف وضاحت کہ دین میں پھوٹ ڈالنے والے اہلِ بدعت و ضلالت کا ملتِ اسلامیہ اور رسول اقدس صلعم سے کوئی تعلق نہیں۔ اگر وہ مدعیٔ اسلام ہوں مگر اسلام کی بیخ کنی کررہے ہوں اور شیرازۂ اسلام کو بکھیر رہے ہوں اور وحدتِ اسلامیہ کو تباہ کررہے ہوں تو وہ خبیث ترین کافر ہیں۔ وغیرہ

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ فَلَا یُجْزٰٓی
جو کوئی نیکی لے کر آئے گا اُس کو نیکی سے دس گنا (اجر) ملے گا اور جو کوئی بدی لے کر آئے گا اُس کو بس بدی کی

اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ○
برابر ہی سزا ملے گی اُن پر ظلم نہ ہوگا

toobaafoundation.com

تفسیر ابن مسعودؓ کے نزدیک حسنۃ سے مراد کلمۂ لا الٰہ الا اللہ اور سیئۃ سے مراد کفر ہے۔ اول الذکر کے قائل ابن عباسؓ اور ابو ہریرہؓ بھی ہیں لیکن دیگر مفسرین کا خیال ہے کہ کلمۂ طیبہ افضل الحسنات ضرور ہے لیکن آیت میں ہر نیکی مراد ہے۔ اسی طرح سیئۃ سے مراد عام گناہ ہے۔ خواہ شرک ہو یا کوئی چھوٹا گناہ۔ صحیح حدیث میں وارد ہے کہ تمہارا پروردگار رحیم ہے۔ جس نے کسی نیکی کا ارادہ کیا اور پھر اس کو نہ کیا اس کے واسطے ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور اگر اس نے وہ نیکی کرلی تو دس گنا سے سات سو تک نیکیاں اس کی لکھی جاتی ہیں۔ اور جس نے کسی بدی کا ارادہ کیا مگر اس کو نہ کیا تو اس کے واسطے ایک نیکی لکھی جاتی ہے لیکن اگر اس کو کر گزرا تو ایک بدی لکھی جاتی ہے یا اللہ اس کو محو کر دیتا ہے (رواہ البخاری ومسلم والنسائی) ابن کثیر کا قول ہے کہ گناہ کا ترک کرنے والا تین طرح کا ہوتا ہے۔

(۱) وہ جس نے گناہ کو اللہ کے خوف سے چھوڑ دیا اللہ اس کے واسطے نیکی عطا فرماتا ہے۔

(۲) وہ جس نے بھول کر گناہ کرنا چھوڑ دیا۔ ایسے آدمی کو نہ عذاب ہے نہ ثواب۔

(۳) وہ جس نے بدی کرنے کی اپنی طاقت کے موافق کوشش کی اسبابِ گناہ فراہم کئے لیکن مجبوری سے نہ کر سکا اس شخص پر ایک گناہ کا عذاب ہوگا۔

حریم بن فاتک اسدی سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ آدمی چار طرح کے ہوتے ہیں اور اعمال چھ طرح کے۔ چار طرح کے آدمی تو یہ ہیں:۔

(۱) اول وہ شخص جس کے لئے دنیا و آخرت دونوں میں وسعت ہے (۲) وہ شخص جس کے لئے دنیا میں وسعت اور آخرت میں تنگی ہے۔ (۳) وہ شخص جس کے لئے دنیا میں تنگی اور آخرت میں وسعت ہے (۴) وہ شخص جس کے لئے دنیا و آخرت دونوں میں تنگی ہے۔ اور اعمال کی تفصیل یہ ہے کہ جو مسلمان مومن مرا اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا تھا تو اس کے لئے جنت واجب ہوگئی اور اگر کافر مرا تو دوزخ واجب ہوگئی اور جس نے نیکی کا ارادہ کیا لیکن کر نہ سکا اور اللہ کو معلوم ہے کہ نیکی کا خیال اس کے دل میں جم گیا تھا۔ اور وہ نیکی کرنے کا حریص تھا۔ اس کے لئے ایک نیکی لکھی جائے گی اور جس نے برائی کا ارادہ کیا (لیکن کی نہیں) اس کی برائی نہیں لکھی جائے گی اور جس نے برائی کرلی اس کی ایک برائی ہی لکھی جائے گی اور جس نے ایک نیکی کرلی اس کے واسطے دس گنا یعنی بہت زیادہ لکھی جائے گی اور جس نے راہِ خدا میں کچھ خرچ کیا تو سات سو گنا اجر لکھا جائے گا (رواہ احمد وقد رواہ النسائی والترمذی بالبعض)

آیت کا حاصلِ مطلب یہ ہے کہ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا جس نے نیکی کی اس کو دس گنا اجر ملے گا۔ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا اور جس نے بدی کی اس کو اس کے گناہ کے موافق سزا ملے گی زیادہ نہ ملے گی۔ حق تلفی کسی کی نہ ہوگی۔ نہ نیک کی نہ بد کی۔

مقصود بیان رحمتِ عامہ کی وضاحت، عدلِ الٰہی کی صراحت، خدا کے ظالم نہ ہونے کی نص، اس بات کی طرف ایما کہ اللہ کی خلاقی اور ربوبیت کا تعلق تمام سرکش و فرماں پذیر مخلوق سے مساوی ہے۔ فرق ہے لوگوں کے اعمال کا۔ خدا کو کسی سے ذاتی دشمنی نہیں ہے لیکن اعمال کے تفاوت کی وجہ سے لوگوں کی سزا جزا مختلف ہوگی۔ وغیرہ

قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ

(اے محمدؐ) کہہ دو کہ بلاشبہ مجھے میرے پروردگار نے سیدھی راہ دکھا دی یعنی دین صحیح بتا دیا جو ابراہیم کا طریقہ ہے جو

حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ

ایک ہی کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے کہہ دو کہ میری نماز اور میری سب عبادتیں اور میرا جینا

toobaafoundation.com

وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ لَا شَرِيكَ لَهُ ۚ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ

اور میرا مرنا اللہ ہی کے لئے ہے جو رب العالمین ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے

وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ۝

اور میں سب سے پہلا فرماں بردار ہوں

تفسیر اوپر کی آیات میں بیان کیا گیا تھا کہ درحقیقت دین ایک ہی تھا لیکن اہل کتاب نے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔ ہر ایک ایک فرقہ بنا کر بیٹھ گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دین توحید پر کوئی قائم نہیں رہا۔ لہٰذا رسول کا ان میں سے کسی سے تعلق نہیں۔ اب یہاں بیان کرتا ہے کہ قُلْ إِنَّنِي هَدَانِي رَبِّي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ دِينًا قِيَمًا مِّلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ رسول کا ان سے کچھ تعلق نہیں بلکہ تعلق دینِ ابراہیمی سے ہے۔ ابراہیم شرک سے پاک اور ہر طرح کی دینی تفریق اور پرستش غیر اللہ سے بیزار تھے۔ وہ تمام جھوٹے معبودوں کو چھوڑ کر یکسو ہو گئے تھے۔ اے رسول! تم ان سے (کافروں سے) کہہ دو کہ خدا نے مجھے سیدھا راستہ دکھا دیا۔ وہ دین راست بتا دیا جو ابراہیم کا تھا۔ میں نے غیر اللہ کو چھوڑ دیا۔ ہر جھوٹے معبود سے منہ موڑ لیا۔

قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ لَا شَرِيكَ لَهُ ۖ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ۝ میری نماز اور ہر قربانی زندگی اور موت اللہ ہی کے لئے ہے۔ یہی مجھے حکم ملا ہے اور اس زمانہ کے علمبردارانِ توحید میں سے سب سے پہلا فرماں پذیر و مسلم میں ہی ہوں۔

نُسُكِي کے معنی ہم نے قربانی بیان کئے ہیں۔ سعید بن جبیر، ضحاک، سدی اور مجاہد کا یہی قول ہے اور ممکن ہے کہ نسک کے معنی مطلق عبادت کے لئے جائیں۔

مقصود بیان اس امر کی صراحت کہ ابراہیم مشرک نہ تھے۔ دنیا کو چھوڑ کر، غیر اللہ کے رشتہ کو توڑ کر ایک خدا کے ہو گئے تھے۔ ان کا دین درست اور راستہ سیدھا تھا۔ اس بات کی وضاحت کہ اسلام درحقیقت دینِ ابراہیمی ہے۔ مسلمان کا مقصد اصلی یہی ہونا چاہیئے کہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کل عبادات معاملات یہاں تک کہ اپنی زندگی و موت بھی خدا ہی کے لئے مخصوص کر دے۔ سرفرو

قُلْ أَغَيْرَ اللَّهِ أَبْغِي رَبًّا وَهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ۚ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ

کہہ دو کیا غیر اللہ کو میں رب بنانا چاہوں حالانکہ وہی ہر چیز کا رب ہے اور جو شخص برا عمل کرے گا اس کا وبال

إِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۚ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُم مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُم

اسی پر ہوگا کوئی شخص کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائے گا پھر تم سب کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہے تو

بِمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۝

کہ ان چیزوں سے آگاہ کر دے گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے

toobaafoundation.com

تفسیر اوپر کی آیات میں کس خوبی سے مرضامینِ توحید بیان کیئے گئے تھے اور آخری فیصلہ بھی صادر کر دیا گیا تھا کہ یہ تفریق دینی ٹھیک نہیں۔ نہ یہودی حق پر ہیں نہ عیسائی نہ دوسرے مشرک بلکہ دینِ حق دینِ توحید ہے جو خاص مذہب ابراہیمی تھا۔ اب الوہیت باری اور صداقت رسول کی دلیلیں بیان کرتا ہے۔ چونکہ تمام مشرک اور کل عیسائی یہودی وغیرہ باوجود پرستش غیر اللہ کے اس بات کے قائل ضرور تھے کہ کل چیزیں خدا کی پیدا کی ہوئی ہیں اور وہی سب کا پروردگار کارساز ہے اس لئے انہی کے مسئلہ کو پیش کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ:۔

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ط جب یہ سب چیزیں اُسی اللہ کی پیدا کی ہوئی ہیں اور وہی سب کا موجد مربی اور قاضی الحاجات ہے تو پھر اس کے ساتھ اس کی مخلوق کو شریک کیسے کیا جا سکتا ہے۔ مخلوق و خالق، مربوب و رب، قاضی و مقضی کس طرح برابر ہو سکتے ہیں۔ اس کے بعد صداقتِ رسول کی دلیل پیش کرتا ہے اور کفار کے شبہ کا ازالہ فرماتا ہے کہ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا۔ ذرا اس پر بھی غور کرو کہ تم کو دعوتِ اسلام دینے میں رسول کا ذاتی فائدہ کیا ہے۔ نہ تمہارے انکار سے اُس کو نقصان پہنچتا ہے نہ اقرار سے فائدہ۔ کیونکہ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى جو کوئی برائی کرتا ہے اپنے لئے کرتا ہے۔ اُس کا وبال اُسی کو بھگتنا ہوگا۔ کوئی شخص (قیامت کے دن) کسی کے گناہ کا بوجھ نہ اُٹھائے گا۔ معلوم ہوا کہ دعوتِ اسلام محض تمہارے فائدے کے لئے ہے۔ مانو گے فائدہ اُٹھاؤ گے۔ نہ مانو گے نقصان اُٹھاؤ گے۔ اس کے بعد کافروں کو صداقتِ رسول کا مزید اطمینان دلانے کے لئے فرماتا ہے کہ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ۔ آخر کار تم کو خدا کے پاس جانا ہے۔ یہاں جو دل چاہے کہے جاؤ اور جس قدر تفریق دینی کر سکتے ہو کرو۔ قیامت کے دن ان اختلافات کا خدا خود فیصلہ کر دے گا اور بتا دے گا کہ کون حق پر ہے اور کون باطل پر۔ رسول کا جھوٹ سچ تم کو وہاں معلوم ہو جائے گا۔

آیت وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا سے اُن مشرک جاہلوں کا ضمنی رد ہو گیا جو ایک شخص کے مواخذہ میں اُس کے عزیز و اقارب کو ماخوذ کرتے تھے۔ نیز اس سے نصاریٰ کے عقیدہ کا بھی رد ہو گیا کہ عیسائی امت آزاد ہے جو کچھ دل چاہے کرے مسیحؑ نے ان سب کے گناہ اُٹھا لئے ہیں۔

مسئلہ:۔ آج کل عام جاہل مسلمانوں نے بلکہ بعض لکھے پڑھے مسلمانوں نے بھی یہ طریقہ نکال لیا ہے کہ اگر کوئی شخص مرجاتا ہے تو کسی شخص کو روپیہ دو روپیہ من دو من غلہ یا کوئی چیز مُردے کے وارث دے دیتے ہیں اور جنازہ اُٹھنے سے قبل وہ شخص لوگوں کے سامنے اقرار کرتا ہے کہ اس مُردہ پر جو کچھ فرائض واجبات تھے اور اُس نے اس کی ادائیگی میں کوتاہی کی تھی اُن سب کو میں اپنے اوپر لیتا ہوں۔ یہ رواج بالکل بے بنیاد اور باطل ہے۔ یہ دونوں آیات نیز دیگر قرآنی نصوص اس کا صاف انکار کر رہی ہیں۔ البتہ دُعائے مغفرت یا ایصالِ ثواب کے لئے غریبوں کو کھلانا اور بات ہے۔ لیکن اس سے مُردے کے گناہ کسی دوسرے پر نہیں پڑ جاتے بلکہ اُمید ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی رحمت سے معاف فرما دے گا۔

آیت وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى سے ولید بن وغیرہ کے اُس قول کا بھی رد ہو گیا جو عام لوگوں کو مخاطب کر کے وہ کہا کرتا تھا کہ اے برادرانِ قریش اور اے باشندگانِ عرب میری پیروی کرو اور میرا کہنا مانو۔ اگر تمہیں گناہ کا اندیشہ ہے تو اطمینان رکھو تم سب کے گناہ میں اپنی گردن پر رکھ لوں گا

مقصودِ بیان معبودیت باری اور دعوتِ رسولؐ کی حقانیت کی احسن پیرائے میں وضاحت۔ کفار اہل کتاب اور مشرکوں کے عقیدہ کفار کا رد۔ اس امر کی صراحت کہ جیسی کرنی ویسی بھرنی۔ جو کرے گا پائے گا۔ کوئی کسی کے کام نہ آئے گا۔ کسی کا گناہ کسی پر نہیں پڑ سکتا۔ اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ صرف گمراہ ہونے کا انسان کو خمیازہ برداشت کرنا ہوگا۔ گمراہ کرنے کی کوئی سزا نہ ملے گی۔ کیونکہ ایسا سمجھنا حدیث رسول کے قطعی خلاف ہے۔ حضورؐ نے فرما دیا ہے کہ جو کوئی بُرا کام ایجاد کرتا ہے تو جب تک وہ بُرا طریقہ دنیا میں رائج رہے گا اور لوگ اس پر عمل کرتے رہیں گے سب کے گناہ کی برابر وبال اصل موجد پر ہوگا۔ لیکن وہ کرنے والے بھی اپنے کیئے کی پاداش سے بچ نہیں سکتے۔ مطلب یہ ہے کہ مرتکب گناہ کی سزا موجد گناہ پر اس طرح پڑ جائے کہ مرتکب آزاد ہو جائے۔ ایسا ہونا غیر ممکن ہے۔ وغیرہ۔

toobaafoundation.com

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ

اسی نے تم کو زمین میں نائب بنایا ہے اور تم میں ایک کے دوسرے پر درجات بلند کئے تاکہ اپنی دی

لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ ۗ إِنَّ رَبَّكَ سَرِيعُ الْعِقَابِ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٦٥﴾

ہوئی چیز میں تمہاری آزمائش کرے تمہارا رب بیشک جلد سزا دینے والا ہے اور وہ واقعی غفور رحیم ہے

تفسیر مکہ کے دولتمند مشرک نادار مسلمانوں کو دیکھ کر کہا کرتے تھے کہ دیکھو ہم اپنے معبودوں کی بدولت اس قدر مرفہ الحال ہیں۔ یہ معبود خدا کی طرف سے کارساز ہیں جس طرح دنیا میں بادشاہ کا عملہ کارساز ہوتا ہے۔ بغیر ان کے بادشاہ کچھ نہیں کرسکتا۔ مسلمانوں نے ان کو چھوڑ دیا۔ اس لئے افلاس و تنگدستی میں گرفتار ہیں۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ اللہ ہی نے تم کو ایک دوسرے کا جانشین بنایا ہے۔ یعنی ایک مرتا ہے۔ دوسرا اس کی جگہ قائم ہوتا ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اس نے اپنا خلیفہ تم کو زمین پر بنایا اور مال واولاد عزت وآبرو اور علم وجہل کے اعتبار سے ایک کو دوسرے سے مختلف کیا۔ کسی کو مفلس کسی کو جاہل کسی کو عالم کسی کو صاحب اولاد اور کسی کو بے اولاد کیا۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اس کے خزانہ میں کچھ کمی ہے۔ یا نعوذ باللہ وہ بخیل ہے یا لوگوں کی حالت سے ناواقف ہے۔ بلکہ اس تفاوت سے مقصد یہ ہے کہ کھلم کھلا تمہاری آزمائش ہو جائے کہ کون نعمتوں کا شکر اور مصیبتوں پر صبر کرتا ہے اور کون ناشکرو بے صبر بنتا ہے۔ کون عاصی ہے کون مطیع۔ اب جو شخص اس کی نافرمانی اور کفران نعمت کرے گا اور اللہ اس کو عذاب دینا چاہے گا تو دم کے دم میں عذاب دیدے گا۔ کوئی چیز عذاب دینے سے مانع نہیں ہوسکتی۔ اور جو اس کی اطاعت و فرماں پذیری کرے گا۔ نعمت کا شکر اور تکلیف پر صبر رکھے گا اس کو اللہ بخش دے گا کیونکہ وہ غفور رحیم ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضؓ سے مروی ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا ہری بھری اور رسیلی میٹھی ہے۔ اللہ تعالیٰ تم کو اس میں خلیفہ کرنے والا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ تم اس میں کیسے عمل کرتے ہو۔ پس تم دنیا سے بچے رہنا اور (خصوصیت کے ساتھ) عورتوں کے فتنہ میں بھی نہ پڑنا۔ کیونکہ بنی اسرائیل کا پہلا فتنہ عورتوں سے شروع ہوا تھا (رواہ مسلم)

مقصود بیان نعمت میں شکر اور مصیبت پر صبر کرنے کا عمومی حکم۔ دنیوی ترقی کے اسباب کو موجب صداقت وحقانیت سمجھنے کی ممانعت۔ خَلَائِفَ الْأَرْضِ کی مکمل توضیح بہت طویل ہے۔ ہر قسم کی دینی و دنیوی جانشینی کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے۔

سُوْرَةُ الْأَعْرَافِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَتَانِ وَسِتُّ آيَاتٍ وَأَرْبَعٌ وَعِشْرُونَ رُكُوعًا

سورۃ اعراف مکہ میں نازل ہوئی اس میں دوسو چھ آیتیں اور چوبیس رکوع ہیں

یہ سورت مکی ہے لیکن آٹھ آیات (وَاسْأَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ سے آخر رکوع تک) بہت سے اہل تفسیر کے نزدیک مکی نہیں ہیں۔ ابن عباس اور ابن زبیر سے یہی مروی ہے۔ حسن بصری مجاہد عکرمہ عطاء اور جابر بن زید کا بھی یہی قول ہے۔ اس سورت کے کلمات ۳۳۲۵ ہیں اور حروف ۱۴۳۱۰ ہیں۔ اس سورت میں کوئی آیت منسوخ نہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان بڑا رحم والا ہے

toobaafoundation.com

الٓمّٓصٓ ۚ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ

الٓمّٓصٓ یہ (قرآن) ایک کتاب ہے جو تم پر نازل کی گئی ہے تاکہ اس کے ذریعہ سے تم (کافروں کو) ڈراؤ اور مسلمانوں کو نصیحت کرو لہٰذا

بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۞ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا

تمہارے سینہ میں اس کی وجہ سے بالکل تنگی نہ ہونی چاہیئے (لوگو) جو کچھ تم پر تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس کا اتباع کرو اور اللہ

تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۗ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۞ وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ

کے سوا اور رفیقوں کا اتباع نہ کرو تم بہت ہی کم غور کرتے ہو اور کتنی ہی بستیاں

اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ۞ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ

ہم نے ہلاک کر دیں پس اُن پر ہمارا عذاب راتوں رات یا ایسے وقت پہنچا کہ دوپہر کو پڑے سوتے تھے جب اُن پر ہمارا عذاب پہنچ گیا تو

جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۞

اُن کی پکار بس یہ ہوئی کہ کہنے لگے بے شک ہم ہی ظالم تھے

تفسیر الٓمّٓصٓ: قرآن پاک میں جتنے حروف مقطعات ہیں ان کے تاویلی معانی اور واقعی حقائق تو کسی کو معلوم نہیں۔ البتہ تفسیری معنی علماء نے کچھ بیان کئے ہیں اور جتنے معانی بیان کئے ہیں وہ سب غیر قطعی ہیں۔ مثلاً ابن عباسؓ نے فرمایا الٓمّٓصٓ کے معنی ہیں اَنَا اللّٰہُ اَفْصِلُ یعنی میں ہوں اللہ خوب فیصلہ کرنے والا (رواہ ابن ابی حاتم) بعض کا قول ہے کہ اللہ کے ناموں میں سے یہ بھی ایک نام ہے۔ سدی سے مروی ہے کہ المص کے معنی ہیں مصور۔ محمد بن کعب نے اس کی تفسیر کی ہے اللّٰہ الرحمٰن الصمد۔ ضحاک نے اَنَا اللّٰہُ الصادق کہا ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت سے معانی بیان کئے گئے ہیں لیکن حقیقت وہی ہے جو ہم نے بیان کر دی کہ تاویلی معنی سے کوئی واقف نہیں۔ اسی لئے اکثر محققین تمام مقطعات کی تفسیر میں کہہ دیتے ہیں کہ اللہ ہی اپنی مراد بخوبی جانتا ہے۔

كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۞ اس سورت میں مبداء و معاد کی تشریح، دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کے عذاب و نعیم کی مکمل عکسی تصویر کھینچی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ یہ عظیم الشان عالی مرتبہ کتاب ہے۔ اے محمدؐ! آپ پر یہ خدا کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔ آپ کو اس سے دل تنگ نہ ہونا چاہیئے۔ یعنی اس بات سے آپ دل تنگ نہ ہوں کہ اگر آپ نے لوگوں کو یہ پیام پہنچایا تو لوگ آپ کو جھٹلائیں گے اور ایذا دیں گے کیونکہ اللہ آپ کا حافظ و ناصر ہے۔

یا دل تنگ نہ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اُس کی حقانیت و صداقت میں آپ کو شبہ نہ ہونا چاہیئے۔ مجاہد و قتادہ وغیرہ سے یہی مروی ہے چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن پاک کی صداقت و حقانیت میں شک ہونے کا تو احتمال بھی نہ تھا اس لئے اس تقدیر پر روئے سخن امتِ محمدیہ کی طرف ہوگا۔ بہرحال حاصلِ مطلب یہ ہے کہ آپ دل تنگ نہ ہوں کسی کی تصدیق و تکذیب کی پرواہ نہ کریں۔ آپ کا کام صرف یہ ہے کہ جو سرکش و عصیاں شعار ہیں اُن کو عذابِ الٰہی سے ڈرائیں اور جو اہلِ ایمان ہیں اُن کو نصیحت کریں اور عبرت دلائیں۔

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۗ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۞ اوپر کی آیت میں

toobaafoundation.com

رسول پاک کو تبلیغ و انذار اور وعظ و نصیحت کر لے کا حکم اور دل تنگ نہ ہونے کا امر تھا۔ اب امت کو خطاب کرتا ہے۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ لوگو تمہارا کام یہ ہے کہ جو احکام الٰہی قرآن و سنت کی شکل میں تم کو دیئے گئے ہیں اُن پر چلو۔ اپنے بنائے ہوئے رفیقوں اور جھوٹے معبودوں کی پیروی نہ کرو۔ اس بات کو ذرا سوچنے کی ضرورت ہے کہ رسول کی پیروی کرنی بہتر ہے یا جھوٹے رفیقوں کی لیکن بہت ہی کم تم سمجھتے ہو نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ یاد رکھو کہ اگر تم نے سرتابی کی اور رسول کے حکم پر نہ چلے تو تباہ ہو جاؤ گے۔ اگر اس بات میں کچھ شک ہو تو دیکھ لو کہ :۔

وَكَمْ مِنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا فَجَاءَهَا بَأْسُنَا بَيَاتًا أَوْ هُمْ قَائِلُونَ ۝ کتنی بستیاں گزر چکی ہیں جنھوں نے اللہ کی اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی بالآخر اس سرتابی کی وجہ سے اللہ نے اُن کو برباد کیا۔ اُن کے خاص آرام کے وقت جب کہ وہ آرام سے خواب غفلت میں سرشار تھے یعنی رات کو اور دوپہر کو عذاب الٰہی اُن پر آیا۔

فَمَا كَانَ دَعْوَاهُمْ إِذْ جَاءَهُمْ بَأْسُنَا إِلَّا أَنْ قَالُوا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ۝ اس وقت وہ پچھتائے، پشیمان ہوئے اور اقرار کیا کہ ہاں واقعی ہم باطل پر تھے زیادتی کرتے تھے کہ خدا کے پیغمبروں کے حکم پر نہ چلتے تھے اور اپنے فرضی دیوتاؤں کو مانتے تھے لیکن اس وقت پشیمانی بے سود ہے۔

مقصود بیان اہل علم کی آزمائش ـ عظمت قرآن کی طرف ایماء ـ رسول پاکؐ کی تسلی ـ فریضۂ نبی کی صراحت کہ آپ کا کام صرف ڈرانا اور وعظ و نصیحت کرنا ہے ـ پیروی قرآن و حدیث کا عمومی حکم ـ غیر اللہ کے اتباع کی ممانعت ـ وغیرہ

فَلَنَسْأَلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْأَلَنَّ الْمُرْسَلِينَ ۝ فَلَنَقُصَّنَّ

پھر ہم اُن لوگوں سے جن کے پاس پیغمبر بھیجے گئے تھے ضرور باز پرس کریں گے اور پیغمبروں سے بھی ضرور پوچھیں گے اور اپنے علم کے موافق ضرور اُن

عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَمَا كُنَّا غَائِبِينَ ۝ وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ

سے اصل حال بیان کریں گے اور ہم کہیں غائب نہ تھے اس روز اعمال کی تول برحق ہے جن کے (نیکیوں کے) پتے

مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ

بھاری ہوں گے وہی بامراد ہوں گے اور جن کے پتے ہلکے ہوں گے وہ چونکہ

الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَظْلِمُونَ ۝

ہمارے احکام کی ناحق شناسی کرتے تھے اس لئے اپنے نفسوں کا نقصان کریں گے

تفسیر اوپر کی آیت میں نبی کا فرض تبلیغ اور امت کا فرض تعمیل حکم قرار دیا تھا اور یہ بھی فرما دیا تھا کہ جو لوگ فرمان الٰہی کو قبول نہیں کرتے اور نبی کی مخالفت و تکذیب کرتے ہیں۔ وہ دنیا میں مبتلائے عذاب ہوتے ہیں۔ اب آخرت کی حالت اور حالت کی دوڑ کو ظاہر فرماتا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ :۔

فَلَنَسْأَلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْأَلَنَّ الْمُرْسَلِينَ ۝ قیامت کے دن ہم انبیاء سے اُن کے فریضہ کے متعلق سوال کریں گے کہ کیا تم نے ہمارا پیام پہنچا دیا تھا اور اُمتوں سے بھی دریافت کریں گے کہ کیا تمہارے پاس یہ انبیاء گئے تھے اور اُنھوں نے تم کو ہمارا پیام پہنچایا تھا۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ ہم یہ سوالات طلب علم کے لئے کریں گے۔ کیونکہ طلب علم کے لئے سوال تو وہ شخص کرتا ہے جو موقع پر موجود نہ ہو،

toobaafoundation.com

اس کے سامنے واقعہ نہ گزرا ہو۔ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ٥ ہم ہر چیز کا علم حضوری رکھتے ہیں ہم سے کچھ غائب نہیں۔ اس لئے ہم جواب حاصل کرنے کے بعد (مشرکین کی تردید میں) خود ہی کُل احوال و اخبار بیان کر دیں گے۔ اس آیت میں سوال و جواب سے مراد بازپرس ہے یعنی قیامت کے دن لوگوں سے اُن کے ایمان و اعمال کی بازپرس ہوگی۔ رہی آیت وَلَا يُسْئَلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ٥ تو اس سے احترام و عزت کے سوال کی نفی مراد ہے یا سوال سے مراد سوالِ ایمان ہے اور نفیِ سوال سے مراد سوال اعمال کی نفی ہے۔

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ۣالْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ٥ یعنی جب سوال تبلیغ و ایمان ہو چکے گا تو نیکی و بدی کا موازنہ کیا جائے گا جن کی نیکیاں وزنی ہوں گی بس وہی کامیاب ہوں گے۔

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ٥ اور جن کی برائیاں وزنی ہوں گی وہ نقصان اٹھائیں گے۔ مگر یہ نقصان اپنے ہی کرتوت کے عوض ہوگا۔ وہ چونکہ دنیا میں آیات الٰہی اور احکام خداوندی کے مقتضا کے مطابق عمل نہ کرتے تھے اور فرمانِ انبیاء کی حق تلفی اور اس کی خلاف ورزی کرتے تھے اِس لئے بالآخر تباہ حال ہو گئے۔

نکات

(۱) موازین میزان کی جمع ہے۔ چونکہ ہر بندہ کے اعمال کو تولنے کی میزان علیحدہ ہوگی اس لئے جمع کا لفظ استعمال کیا گیا۔ صاحبِ بیضاوی کے نزدیک موازین موزوں کی جمع ہے۔ چونکہ وزن متعدد اور موزون مختلف ہوں گے اس لئے جمع کا لفظ استعمال کیا گیا۔ اِن دونوں تفسیروں پر میزان واقعی ایک عینی چیز ہوگی جس پر نیکی و بدی کا وزن ہوگا۔ احادیث صحیحہ سے بھی بظاہر یہی سمجھ میں آتا ہے لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اعمال تولے جائیں گے یا نامۂ اعمال یا اعمال کرنے والے؟ تو اس کے متعلق اہلِ تفسیر و حدیث کا اختلاف ہے۔ جو لوگ اعمال کے جوہری ہونے کے قائل ہیں یا اس بات کے قائل ہیں کہ اعمال اگرچہ عرض ہیں لیکن ہو سکتا ہے کہ قیامت کے دن بقدرتِ الٰہی اعراض کا بالاستقلال وجود ہو اُن کے نزدیک اعمال کا ہی وزن کیا جائے گا۔ ابن عباسؓ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ ابن عبدالبر اور قرطبی وغیرہ کا خیال ہے کہ نامۂ اعمال تولے جائیں گے کیونکہ حدیث بطاقہ سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے مروی ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن مجمع کے سامنے میری اُمّت میں سے ایک شخص کو پکارا جائے گا۔ پھر اس کے ۹۹ اعمال نامے کھولے جائیں گے۔ جن میں سے ہر ایک کی درازی بقدر حدِ نظر ہوگی۔ پھر اللہ کی طرف سے حکم ہوگا کہ کیا تجھے اس میں سے کسی چیز سے انکار ہے یا لکھنے والے فرشتوں نے تجھ پر کچھ ظلم کیا ہے؟ وہ شخص جواب دے گا پروردگار کچھ نہیں۔ اللہ فرمائے گا تجھے کچھ عذر ہے یا تیری کوئی نیکی ہے؟ وہ شخص خوفزدہ ہو کر کہے گا۔ نہیں پروردگار کچھ نہیں۔ خدا تعالیٰ فرمائے گا۔ نہیں تیری ایک نیکی ہمارے پاس ہے۔ آج تیری حق تلفی نہ ہوگی۔ اس کے بعد ایک چھوٹا سا کاغذ جس میں اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ لکھا ہوگا نکالا جائے گا۔ وہ شخص عرض کرے گا پروردگار! یہ کاغذ کا ٹکڑا ان طوماروں کے مقابلہ میں کیا حقیقت رکھتا ہے۔ فرمان ہوگا اے شخص، آج تجھ پر ظلم نہ ہوگا۔ پھر وہ کاغذ ایک پلّہ میں اور کل اعمال نامے دوسرے پلّہ میں رکھے جائیں گے۔ اعمال ناموں کا پلّہ اٹھایا جائے گا اور اس کا پلہ نیچے جھک جائے گا (رواہ البیہقی وابن مردویہ وابن ماجہ واخرجہ ابن حبان فی صحیحہ ورواہ احمد باسناد حسن ورواہ الحاکم وصححہ والترمذی وقال حسن صحیح) اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ نامۂ اعمال تولے جائیں گے۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ عمل کرنے والے کو تولا جائے گا۔ کیونکہ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ والا نے فرمایا۔ قیامت کے دن بعض فربہ اندام قوی ہیکل آدمی آئیں گے۔ مگر اللہ کے نزدیک اُن کا وزن مچھر کے پر کی برابر بھی نہ ہوگا۔ پھر حضورؐ نے یہ آیت پڑھی۔ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا الآیۃ۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مناقب میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا تم لوگ عبداللہ کی پتلی پنڈلیاں دیکھ کر تعجب کرتے ہو قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ اس کی دونوں پنڈلیاں میزان میں کوہ اُحد سے زیادہ گراں ہوں گی بہرحال اعمال یا نامۂ اعمال یا اصحاب اعمال کا وزن ہونا اُس تقدیر پر ہوگا جبکہ میزان کو ایک عینی خارجی چیز تسلیم کر لیا جائے۔

لیکن بعض حضرات وزن کے معنی صرف موازنہ لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نیکی و بدی کا موازنہ قیامت کے دن ہوگا۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ وزن

toobaafoundation.com

ومیزان بمعنی عدل و فیصلہ ہے۔ یعنی خاص توازن و تعادل کے ساتھ نیکی و بدی کا مقابلہ۔ مجاہد کی بھی یہی روایت ہے اور زجاج نے اس محاورے کی تائید کی ہے۔

(۲) اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ وزن اعمال کی خصوصیت صرف مسلمانوں کے ساتھ ہے یا کفار کے اعمال کا بھی وزن ہوگا۔ اکثر علماء کا قول ہے کہ وزن اعمال کی خصوصیت صرف مسلمانوں کے ساتھ ہے۔ کفار کے اعمال کا وزن نہ ہوگا بلکہ اُن کے اعمال یونہی ناکارہ جائیں گے۔ ظاہر آیات سے یہی مستفاد ہوتا ہے۔

لیکن قرطبی وغیرہ کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ کفار کے اعمال بھی تولے جائیں گے مگر اُس وقت جبکہ کسی مخصوص کافر کے عذاب میں تخفیف مقصود ہوگی۔ جیسا کہ ابو طالب کے متعلق حدیث وارد ہے۔

مقصود بیان اس بات کی صراحت کہ قیامت کے دن سوال سے کوئی نہ بچے گا۔ پیغمبر، نہ امت، نہ کافر، نہ مسلم۔ البتہ سوال کی نوعیت میں اختلاف ہوگا۔ انبیاء سے تبلیغ کے متعلق سوال ہوگا اور امت سے ایمان و اعمال کے متعلق۔ اس شبہ کا ازالہ کہ شاید سوال طلب علم کے لئے ہو۔ خدا تعالیٰ کے حاضر و ناظر ہونے کی نص۔ وزن اعمال کے حق ہونے کی تصریح۔

اس امر کی طرف اشارہ کہ کامیاب صرف وہی لوگ ہوں گے جن کی نیکیاں زائد ہوں گی۔ یعنی مکمل کامیابی انہی کو حاصل ہوگی۔ ان کے علاوہ جو لوگ ہوں گے ان کا حصہ ناقص ہوگا۔ اس بات کی جانب ایما کہ خدا تعالیٰ ظالم نہیں۔ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا بلکہ انسان کی بداعمالیاں اُس کو تباہ کریں گی۔ وغیرہ

ع

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِى الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝

ہم نے تم کو زمین میں جگہ دی اور تمہارے لئے اُس میں زندگی کے سامان بنائے تم بہت ہی کم شکر کرتے ہو

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰۗىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ڰ

ہم نے تم کو بنایا پھر تمہاری شکل بنائی پھر ملائکہ سے کہا آدم کو سجدہ کرو

فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا

تو سب نے بجز ابلیس کے سجدہ کیا وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا اللہ نے فرمایا جب میں نے تجھ حکم دیدیا

تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ۭ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ

تو تیرے لئے سجدہ کرنے میں کون چیز مانع ہوئی بولا میں اس سے بہتر ہوں مجھے تو نے آگ سے بنایا اور اُسے مٹی

مِنْ طِيْنٍ ۝ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا

سے بنایا اللہ نے فرمایا اچھا یہاں سے اُتر جا تجھے یہاں غرور کرنے کا حق نہیں ہے

فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ۝

نکل جا تو ذلیلوں میں سے ہے

toobaafoundation.com

تفسیر اس سے پہلے لوگوں کو انبیاء کی فرمانبرداری کا حکم دیا تھا اور مخالفت میں عذاب دنیوی سے ڈرایا تھا اور عذاب آخرت سے خوف دلایا تھا۔ انسان کی جبلی عادت ہے کہ وہ خوف و نعام و احسانات سے مسخر و مطیع ہوتا ہے اس لئے خوف مضرت دارین کے بعد بنی آدم کو وہ احسانات یاد دلاتا ہے جو اُن کے جدِ امجد آدمؑ پر کئے گئے تھے اور لطف یہ ہے کہ تخویف میں عالم آخرت کا اور احسان یاد دلانے میں اُس کی ابتدا کا بھی بیان کر دیا جو آسمانی کتاب کا ایک ضروری کام ہے اور اُس کو علم مبدا و معاد کہتے ہیں (حقانی) چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۞ ہم نے (سب سے اول تو تم پر یہ احسان کیا کہ) زمین پر تم کو رہنے کو جگہ دی اور اس میں تمہارے لئے اسباب معاش اور زندگی بسر کرنے کے ذرائع پیدا کئے گویا دو نعمتیں عطا کیں۔ ایک نعمت مسکن دوسری نعمت معاش۔ مگر تم بہت کم اس کا شکریہ ادا کرتے ہو۔ حالانکہ جس پر مزید احسان ہو اس کو زیادہ شکر ادا کرنا چاہیئے۔ اور زیادہ مطیع ہونا چاہیئے اور منعم کی دی ہوئی نعمتوں کو اُسی کی اطاعت میں صرف کرنا چاہیئے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ پھر تیسرا احسان تم پر یہ کیا کہ تمہارے باپ آدم کی اول تو تخلیق کی یعنی اُن کو مٹی سے بنایا پھر اُن کی صورت شکل قائم کر دی۔ (خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ کے یہ معنی صاحب بیضاوی نے بیان کئے ہیں۔ یعنی خطاب بنی آدم کو ہے اور مُراد وہ احسان ہے جو حضرت آدمؑ پر کیا گیا تھا۔ ابن عباسؓ کے نزدیک آیت کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے تم کو باپ کی پشت سے خلق کیا اور ماں کے پیٹ میں تمہاری شکل بنائی۔ اس تقدیر پر ثُمَّ مطلق عطف کے واسطے ہوگا)۔

ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۞ اس کے بعد چوتھا احسان یہ کیا کہ تمہاری عزت افزائی کے لئے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدۂ تحیت کرو۔ چنانچہ سب فرشتے اعزاز آدم کے لئے جُھک گئے البتہ ابلیس نے سجدہ نہ کیا۔ حاصل یہ کہ خدا نے تمہارا مادۂ خلقت پیدا کیا۔ خوبصورت شکل عطا کی رہنے کو جگہ دی اور زندگی بسر کرنے کے لئے کھانے پینے کی چیزیں اور پہننے کو لباس عطا کیا۔ عزت اتنی کی کہ فرشتوں سے سجدہ کرایا اور جس نے تم سے حسد کیا اور تمہاری عزت نہ کی اُس کو مردودِ بارگاہ کر دیا۔ چنانچہ ارشاد فرماتا ہے:۔

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ یعنی شیطان نے جب سجدہ نہ کیا تو خدا تعالیٰ نے فرمایا میں نے جب تجھے حکم دے دیا تھا تو کونسی وجہ کہ تو نے تعمیل نہ کی اور سجدہ نہ کیا؟ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۞ شیطان نے اپنی بزرگی و برتری کی وجہ قیاسی پیش کی اور امر الٰہی کے مقابلہ میں اپنی اختراعی دلیل کو ترجیح دی اور وجہِ فضیلت صرف مادۂ عنصری کو خیال کیا۔ یہ نہ سمجھا کہ بلاواسطہ تخلیق اور نفخِ روح وغیرہ انسان کو جو فضائل حاصل ہیں وہ مجھے کہاں مل سکتے ہیں۔ غرض یہ کہ حکم الٰہی کے مقابلہ میں تکبر و رعونت سے کام لیا۔

قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ۞ خدا تعالیٰ نے حکم دیا کہ تو تکبر کر کے ملکوتِ اعلیٰ میں نہیں رہ سکتا لہٰذا تو یہاں سے اُتر جا اور نکل جا بلاشبہ تو رذیل و ذلیل ہے۔

مقصودِ بیان احسان ہائے الٰہی کا تذکرہ۔ زمین میں انسان کے رہنے کی صراحت، اسباب زندگانی اور وجوہِ معیشت کی فراہمی کی ضمنی تعلیم، زندگی اور بقائے زندگی کے اسباب کی شکرگزاری کی درپردہ ہدایت۔ اس امر کی صراحت کہ انسانی تخلیق و تصویر بہت عظیم الشان ہے۔ اللہ نے خود اُس کو بنایا ہے۔ اس امر کی نص کہ انسان مسجودِ ملائکہ ہے۔ افضل کی تعظیم ادنیٰ پر لازم ہے۔ ابلیس کا آگ سے اور انسان کا مٹی سے پیدا ہونا بھی آیت سے منصوص ہے۔ اس طرف بھی یقینی اشارہ ہے کہ نص موجود ہوتے ہوئے قیاس کرنا مردود ہے۔ صاحب بیضاوی نے کہا آیت میں اس بات کی دلیل بھی موجود ہے کہ مطلق امر وجوب اور فی الفور تعمیل واداکا متقتضی ہے۔ کون و فساد واقع ہوتا رہتا ہے۔ شیاطین اجسام مخلوق موجود ہیں۔ فضیلت فقط باعتبار مادہ کے نہیں ہوتی بلکہ معنوی فضائل اور اندرونی فضائل کی وجہ سے بھی ہوتی ہے بلکہ درحقیقت فضیلت کا معیار یہی حقیقی فضائل و خصائل ہیں۔ وغیرہ

toobaafoundation.com

قَالَ اَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ۝ قَالَ اِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ۝ قَالَ

بولا مجھے اُس دن تک مہلت دے جبکہ لوگ زندہ کرکے اُٹھائے جائیں گے اللہ نے فرمایا تجھے مہلت دی گئی بولا چونکہ

فَبِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَکَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝ ثُمَّ لَاٰتِیَنَّهُمْ

تو نے مجھے گمراہ کردیا اس لئے اب میں اُن کی تاک میں تیرے سیدھے راستہ میں ضرور بیٹھوں گا پھر اُن کے

مِّنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَیْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا

آگے پیچھے اور دائیں اور بائیں سے پہنچوں گا اور تو

تَجِدُ اَکْثَرَهُمْ شٰکِرِیْنَ ۝ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ

اکثر بنی آدم کو شکر گزار نہ پائے گا فرمایا یہاں سے نکل جا مردود اور راندۂ درگاہ ہوکر جو اُن

تَبِعَکَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْکُمْ اَجْمَعِیْنَ ۝

میں سے تیرا پیرو ہوگا تو میں تم سب سے جہنم کو بھر دوں گا

تفسیر قَالَ اَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ۝ شیطان چونکہ اللہ کی بردباری وحلم سے اور نیز رحمتِ عامّہ سے بخوبی واقف تھا۔ اس نے باوجود گناہگار و مردود ہونے کے مہلت کا سوال کرنے لگا کہ بارِ الٰہا مجھے صور کے دوسرے نفخہ تک یعنی اُس وقت تک جبکہ سب لوگ دوبارہ جلا کر اُٹھا کھڑے کئے جائیں گے اور زندہ رکھ۔ چونکہ نفخۂ ثانیہ کے بعد کسی کو موت نہیں۔ اس لئے دعا میں بھی شیطان نے چالاکی برتی تاکہ دعا کے قبول ہونے سے نفخۂ ثانیہ تک زندگی حاصل ہوجائے اور اس کے بعد فنا نہیں تو گویا ہمیشہ کے لئے موت سے بچ گیا لیکن اللہ تعالیٰ دلوں کا حال جاننے والا ہے۔ بوجہ حکمت و مصلحت و نیز اولادِ آدم کی آزمائش اور خیر و شر کے امتیاز واقعی کے لئے شیطان کی دعا تو قبول فرمائی مگر وقت معلوم تک یعنی صور کے پہلی مرتبہ پھونکنے کے وقت تک۔ نفخۂ اولیٰ پر جس طرح سب مرجائیں گے یہ بھی مرجائے گا۔ جب شیطان کو مہلت مل گئی اگرچہ وقت معین تک تھی تو پھر اپنی سرکشی پر آیا اور بولا:۔

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَکَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝ ثُمَّ لَاٰتِیَنَّهُمْ مِّنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَیْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَکْثَرَهُمْ شٰکِرِیْنَ ۝ میں تو گمراہ ہو ہی چکا ہوں۔ اب آدم کی اولاد کا بھی پیچھا نہ چھوڑوں گا ان کو بھی راہِ راست سے بھٹکا دوں گا۔ آگے پیچھے اور دائیں بائیں سے آکر ان کو بہکاؤں گا۔ جہت فوق سے شیطان نے اپنا آنا اس لئے نہ بیان کیا کہ بندے کے اور رحمتِ الٰہی کے درمیان حائل ہونا اس کی قدرت سے خارج تھا (ابن عباس ومجاہد)

آگے پیچھے اور دائیں بائیں سے آنے کا مطلب مفسرین نے مختلف طور پر بیان کیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ایک روایت میں تو یہ فرمایا کہ سامنے سے مراد ہے دنیا اور پیچھے سے مراد ہے آخرت اور دائیں سے مراد ہیں نیکیاں اور بائیں سے مراد ہیں بدیاں۔ دوسری روایت میں ہے کہ سامنے سے مراد یہ ہے کہ:۔

امرِ آخرت میں اُن کے دلوں میں شک ڈالوں گا اور پیچھے سے مراد یہ ہے کہ اُن کو دنیا کی رغبت دلاؤں گا اور دائیں سے مراد یہ ہے کہ امرِ دین

toobaafoundation.com

میں اُن کو مشکوک کردوں گا اور بائیں سے یہ مراد ہے کہ اُن کو گناہوں کی لذت چکھاؤں گا۔ قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔ لیکن ابن جریر کا خیال ہے کہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ میں سب بھلائی کی راہوں سے اُن کو روکوں گا اور بُرائی کی راہوں میں زینت و خوبی دکھاؤں گا۔ شقیق بلخی کا قول ہے کہ ہر صبح شیطان میرے لئے چار راہیں روکنے بیٹھتا ہے۔ ایک تو میرے سامنے آتا اور کہتا ہے کہ تو کچھ خوف مت کر اللہ غفور رحیم ہے تو میں یہ آیت پڑھ دیتا ہوں۔ وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا الخ۔ دوسرے میرے پیچھے سے آتا ہے اور خوف دلاتا ہے کہ تیری اولاد تیرے بعد فقر و فاقہ سے ہلاک ہوگی۔ پھر تو دنیا کی طرف توجہ کر۔ اس وقت میں یہ آیت پڑھ دیتا ہوں۔ وَمَا مِن دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا الخ۔ تیسرے میرے دائیں طرف سے میری تعریف و توصیف کرتا آتا ہے تو میں پڑھ دیتا ہوں وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ۔ چوتھے میرے بائیں سے شہوتوں اور خواہشات کی راہ دکھاتا ہے تو میں کہتا ہوں وَحِيلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُونَ۔ حاصل یہ کہ شیطان ہر شخص کے مناسب مختلف طریقوں سے فریب دیتا ہے۔ اس کے بعد شیطان کہنے لگا کہ پروردگار اس آدم کو تو نے مجھ پر فوقیت تو عطا کی لیکن اس کی اولاد کا زیادہ حصہ تیری نعمت کا شکر ادا نہ کرے گا۔ شیطان نے یہ بات صرف انانیت اور غرور اور اپنے گمان و وہم سے کہی تھی اور اتفاق سے اس کا گمان واقع کے مطابق ہوگیا۔ ورنہ شیطان کو آئندہ کے متعلق کچھ واقفیت نہ تھی۔ جب شیطان اپنی انانیت کے تمام مظاہرات ختم کرچکا اور کل داؤں چل چکا تو قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُومًا مَّدْحُورًا ۖ لَّمَن تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنكُمْ أَجْمَعِينَ۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا تو ملعون و ذلیل ہے۔ یہاں سے نکل جا تو اور وہ تیرے پیروکار اور مطیع فرمان جو آئندہ پیدا ہوں گے۔ سب دوزخ میں بھر دیے جائیں گے۔ کوئی میرے عذاب سے نہ بچے گا۔

مقصود بیان نفخۂ اولیٰ تک شیطان کے نہ مرنے کی صراحت، گناہگار کی بعض دعاؤں کے قبول ہونے پر نص۔ اس امر کی طرف ایماء کہ گناہگار کو اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا چاہیئے۔ اس بات کی ضمنی تعلیم کہ شیطان تمام بنی آدم کا دشمن ازلی ہے اُس کے دام فریب میں نہ آنا اور اُس کی پیروی سے بچنا۔ ہر شخص کا فرض ہے۔ شیطان کو مہلت دینے سے مقصود اولادِ آدم کی آزمائش ہے کہ کون شیطان کی پیروی کرتا ہے اور کون خدا کی بندگی۔ اس امر کی طرف ایماء کہ شیطان اللہ کی رحمت کو بندہ سے نہیں روک سکتا۔ اپنی طاقت کے موافق بہکانے کی کوشش کرتا ہے مگر وہ رحمتِ الٰہی جو بندہ کے اوپر چھائی ہوئی ہے اس کو روکنا اس کی قدرت سے خارج ہے۔ آیت میں اکثر آدمیوں کے ناشکرے ہونے کی وضاحت بھی ہے۔ وغیرہ

وَيَا آدَمُ اسْكُنْ أَنتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا

اے آدم　تم اور تمہاری　بیوی　جنت میں　رہو　اور جہاں سے　چاہو　کھاؤ　لیکن

تَقْرَبَا هَٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ۝ فَوَسْوَسَ لَهُمَا

اس درخت کے　پاس کبھی　نہ جانا　ورنہ گناہگار　ہوجاؤ گے　پھر شیطان نے ان دونوں کو بہکایا

الشَّيْطَانُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وُورِيَ عَنْهُمَا مِن سَوْآتِهِمَا وَقَالَ مَا

تاکہ جو شرم گاہیں اُن کی　اس وقت تک چھپی ہوئی تھیں　اُن کو　ظاہر کردے　بولا تمہارے　پروردگار

نَهَاكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هَٰذِهِ الشَّجَرَةِ إِلَّا أَن تَكُونَا مَلَكَيْنِ أَوْ تَكُونَا مِنَ

نے اس درخت سے　صرف اس وجہ سے　تم کو منع کیا ہے　کہ کہیں　تم دونوں　فرشتے نہ　ہوجاؤ　یا ہمیشہ　زندہ رہنے

toobaafoundation.com

الْخٰلِدِيْنَ ۝ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ۝ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ

والوں میں سے نہ ہو جاؤ اور ان سے قسم کھائی کہ میں ضرور تمہارے خیر خواہوں میں سے ہوں غرض فریب سے ان دونوں کو اپنی طرف

فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ

کھینچا پس جب دونوں نے اس درخت کو چکھ لیا تو ان کی شرمگاہیں کھل گئیں اور وہ اپنے اوپر جنت کے پتے ڈھانکنے لگے

وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ

اور ان کے پروردگار نے ان کو آواز دی کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے منع نہیں کیا تھا اور تم سے

لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝

نہ کہہ دیا تھا کہ شیطان تمہارا صریح دشمن ہے

تفسیر ان آیات کا حاصل یہ ہے کہ جب اللہ نے شیطان کو ملکوتِ اعلیٰ سے نکال دیا تو آدم کی طرف خطاب کر کے فرمایا۔ وَيٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا۔ تم اور تمہاری بیوی دونوں جنت میں رہو اور وہاں جو چاہو کھاؤ۔ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ لیکن اس ممنوع درخت کا پھل نہ کھانا۔ اس کے پاس تک نہ جانا ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔ حکمِ الٰہی سے آگے بڑھ جاؤ گے (ظاہر آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خلقت حوا دخول جنت سے قبل ہوئی۔ محمد بن اسحاق کا یہی قول ہے لیکن بعض علماء کا قول ہے کہ دخولِ جنت کے بعد حوا پیدا ہوئیں۔ تو اس صورت میں صحت خطاب کی یہ تاویل ہوگی کہ حوا کا موجود ہونا علمِ الٰہی میں ثابت تھا)

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا لیکن شیطان نے آدم و حوا کو بہکایا اور اس وسوسہ سے اس کا مقصود یہ تھا کہ آدم و حوا کو جو لباسِ نور سے مستور کر دیا گیا ہے اس کو دور کر دے۔

شیطان نے آدم و حوا کو کس طرح بہکایا؟ کوئی کہتا ہے سانپ کے پیٹ کے اندر گھس گیا اور سانپ اس کو جنت میں لے گیا۔ کسی کا قول ہے کہ جنت کے باہر سے پکار کر اس نے بہکایا۔ کوئی قائل ہے کہ شیطان کا داخلہ جنت کے اندر بروجہ اعزاز ممنوع تھا۔ مطلق داخلہ ممنوع نہ تھا۔ اس لئے ویسے ہی چلا گیا۔ شیخ ابن کثیر نے ان سب خرافات کو رد کر دیا اور فرمایا ان میں سے کوئی روایت صحیح نہیں۔ یہ سب اسرائیلی روایات ہیں بلکہ صحیح وہ قول ہے جو حسن بصری نے فرمایا کہ شیطان زمین سے آسمان تک وسوسہ ڈال سکتا ہے۔ اللہ نے اس کو یہ قدرت عطا کی ہے۔ وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ۝ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ۝ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ اور اللہ کی قسم کھا کر کہنے لگا تم یقین رکھو کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ اللہ نے تم کو اس درخت کے کھانے سے محض اس وجہ سے منع کیا کہ کہیں تم جنت میں ہمیشہ نہ رہنے لگو اور فرشتوں کی طرح کھانے پینے کی خواہش سے آزاد نہ بن جاؤ۔ اس درخت کے کھا لینے سے حیوٰۃ دوام اور غیر فانی ملکیت حاصل ہوتی ہے۔ لہٰذا تم اس کو ضرور کھاؤ جنت میں ہمیشہ رہو گے اور دوامی زندگی پاؤ گے۔ غرض یہ کہ شیطان نے فریب دے کر آدم و حوا کو ان کے مرتبہ سے گرا دیا۔

فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ

toobaafoundation.com

أَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَأَقُلْ لَّكُمَا إِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ اور جونہی دونوں نے شجرِ ممنوعہ کا پھل چکھ لیا تو فوراً لباسِ نور اُن کے بدن سے دور ہوگیا۔ اور وہی جسمِ مستور نمایاں ہوگیا۔ مجبوراً بدنِ مستور چھپانے کے لئے دونوں نے یہ تدبیر کی کہ جنت کے درخت کے پتے اپنے بدن پر لپیٹنا شروع کئے۔ پروردگار نے فرمایا۔ کیوں میں نے تم دونوں کو اس درخت کے قریب جانے سے منع نہیں کردیا تھا اور نہیں کہہ دیا تھا کہ شیطان تم دونوں کا کھلا دشمن ہے اس کی بات نہ ماننا۔

مقصودِ بیان آدم اور اولادِ آدم کی آزمائش، نوعِ انسانی پر صدورِ امر و نہی کی ابتداء، انسان و شیطان کی قدیمی ازلی دشمنی کا اظہار، شیطان کی قوتِ اغواء اور طاقتِ وسوسہ کا تذکرہ۔ اس امر پر تنبیہ کہ شیطانی آدمی کیسی ہی محکم قسمیں کھائے لیکن اس کی قسمیں ناقابلِ اعتبار ہوتی ہیں اور بلا طلب قسم کھانے والا اکثر جھوٹا ہوتا ہے۔ اس بات کی طرف اشارہ کہ انسان اپنے قدیمی دشمن کی پیروی اس کی فریب کاری کی وجہ سے کرتا ہے اور شیطان انسان کی نظر میں جھوٹ کو سچ کر دکھاتا ہے۔ اس بات کی طرف اشارہ کہ خدا سے سرکشی مردودِ درگاہ ہونے کا سبب ہے۔ جس طرح شیطان مردودِ بارگاہ ہوگیا۔ اس بات پر مجمل تنبیہ کہ خدا تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا بغیر جرم کے سزا نہیں دیتا۔ بلکہ انسان اپنے کیے کی خود سزا برداشت کرتا ہے۔ وغیرہ

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ أَنْفُسَنَا ۚ وَإِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ

دونوں بولے پروردگار! ہم نے اپنے اوپر خود ظلم کیا اگر تو ہم کو نہ بخشے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو ہم ضرور زیاں کاروں

الْخٰسِرِيْنَ ۝ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ

میں سے ہو جائیں گے اللہ نے فرمایا تم سب (آسمان سے) اترو تم میں سے ایک دوسرے کا دشمن ہوگا تمہارے لئے ایک وقت تک زمین

مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ إِلٰى حِيْنٍ ۝ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ

میں رہنا اور فائدہ حاصل کرنا مقرر ہے اُسی میں تم جیو گے اُسی میں مرو گے

وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ۝ ع

اور اُسی سے برآمد کئے جاؤ گے

تفسیر جب حضرت آدم و حوا شیطانی فریب میں آکر معتوبِ بارگاہ ہوگئے تو چونکہ فطرتِ سعیدِ الٰہی تھی اور خدا تعالیٰ کی مصلحت و حکمت بھی اسی کی مقتضی تھی کہ نسلِ انسانی کی آزمائش کی جائے۔ اس لئے دونوں نے عبودیت کے دائرے کے اندر رہتے ہوئے اعترافِ گناہ کیا اور قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ عرض کیا بارالٰہا ہم خطادار ہیں۔ ہم نے خود اپنی حالت خراب کی۔ ہم اب تیری ہی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ہمارا قصور معاف کردے۔ ورنہ ہم تباہ ہوجائیں گے۔ خدا تعالیٰ کا بحرِ مواخذہ جوش زن تھا۔ حکم ہوا:۔

قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ إِلٰى حِيْنٍ ۝ اب تم اس محلِ عزت و کرامت میں نہیں رہ سکتے۔ تم (تینوں) یہاں سے زمین پر چلے جاؤ وہی تمہاری قرارگاہ ہے زندگی بھر وہاں رہوگے اور اپنی زندگی سے وقتِ موت تک تمتع اندوز ہوگے۔

toobaafoundation.com

قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ۝ اور پھر وہیں مرو گے اسی میں دفن ہو گے اور حشر کے وقت اسی سے تم کو نکالا جائے گا

مقصودِ بیان اس بات کی طرف ایما کہ قصور معمولی آدمی سے سرزد ہو یا کسی نبی سے دونوں قابل مواخذہ ہیں بلکہ جن کے رتبے بڑے ہیں ان کو سوا مشکل ہے ۔ اس امر کی جانب تلمیح کہ جو ہماری بارگاہ کی طرف لوٹتا ہے ہم اس کو نوازتے ہیں ۔ اقرار جرم موجب ترحم و مغفرت ہے ۔ انسان کے زمین پر رہنے بسنے اور جینے مرنے کی صراحت ۔ انسان و شیطان کی باہمی دشمنی پر نص اس امر کی جانب لطیف اشارہ کہ انسان سے قصداً جرم سرزد ہوا ہو یا بھول کر یا اجتہادی غلطی ہو ۔ بہر صورت اقرار جرم کرنا لازمی ہے ۔ شیخ شبلی فرماتے ہیں کہ انبیاء کے قصوران کو کرامات و مراتب پر پہنچاتے ہیں ۔ جیسے کہ حضرت آدمؑ کے قصور کا یہ انجام ہوا کہ مقام اجتباء و اصطفاء پر پہنچے اور اولیاء کے قصور ان سے کفارہ ہو جاتا ہے اور عوام کے گناہ ان کو ذلت و خواری میں ڈالتے ہیں ۔ واسطی کا قول ہے کہ آدمؑ کو مقام بہجت سے عالم محنت میں اتار دیا اور اہل عداوت کے درمیان پھنسایا اور بعد وصل کے رنج فرقت چکھایا کیونکہ مقام عشق میں رنج و فراق اور ذوق وصال کے ساتھ ساتھ ہیں ۔ عیش وصال حبیب کے ساتھ صاف بلا کدورت تھے ۔ نہ وہاں جفائے فراق تھی نہ بلائے امتحان ۔ پھر فرقت کے ہاتھوں امتحان میں پھنسایا ۔ برادران عزیز تمہارے والدین جنت وصال میں یہ طمع کرتے تھے کہ دوام بقا حاصل ہو لیکن غیرت کبریائی نے وہاں سے نکال دیا ۔ مگر یہ بھی رحمت ہے کہ دوام بقا بعد فنا کا راستہ بتا دیا ۔

بعض کا قول ہے کہ حضرت آدمؑ رتبہ فضیلت و کرامت سے نہیں گرے ۔ اگرچہ جنت سے نکل آئے ۔ آیت فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اللہ کی اطاعت زندہ اور فنا فی اللہ سے مردہ اور بقا باللہ سے وہاں سے نکلو گے یا اس طرف اشارہ ہے کہ اگر معرفت حاصل ہو گئی تو زندہ رہو گے اور جہالت رہی تو مردہ رہو گے اور جو تقدیر و مشیت سابقہ جاری ہو چکی ہے اور جو احکام سعادت و شقاوت کے ہو چکے ہیں انہیں کے موافق وہاں سے نکلو گے ۔ وغیرہ

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ؕ وَلِبَاسُ

اے اولاد آدمؑ ہم نے تمہارے لئے پوشاک اتاری ہے جو تمہاری شرمگاہوں کو چھپاتی ہے اور زینت کا سبب بھی ہے مگر تقویٰ کا لباس

التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝

سب سے بہتر ہے یہ اللہ کی (قدرت کی) نشانیاں ہیں تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں

تفسیر حضرت آدم و حوا کا ابتدائی و انتہائی قصہ چونکہ اولاد آدم کی نصیحت کے لئے شروع فرمایا تھا ۔ اس لئے اب اصل مقصود کی طرف رجوع فرماتا ہے ۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ اے اولاد آدم دشمن نے تم سے جنت کے کپڑے اترو ائے پھر ہم نے تم کو دنیا میں لباس کی تدبیر سکھائی اور لباس پیدا کیا جو تمہاری جسمانی بے پردگی کو کسی قدر چھپاتا ہے اور پھر مزید تجمل و زینت کے لئے تمہیں سامان عطا کیا ۔ بخاری نے بروایت ابن عباسؓ بیان کیا ہے کہ ریش بمعنی مال ہے ۔ مجاہد ، سدی ، ضحاک اور ابن زبیرؓ کا بھی یہی قول ہے ۔ لیکن عوفی نے ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ ریاش سے لباس و عیش و نعمت ہے ۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب لباس پہنتے تو فرماتے الحمد للہ الذی رزقنی من الریاش ما اتجمل بہ فی الناس واواری بہ عورتی (رواہ احمد) لیکن یہ سب ظاہری سروسامان ہے ۔ درحقیقت لباس تقویٰ باطن کے عیب چھپاتا ہے اس لئے پرہیزگار بنو ۔ یہی لباس تمہارے لئے سب سے افضل ہے ۔

toobaafoundation.com

اختلاف و تحقیق

لباسِ تقویٰ سے کیا مُراد ہے؟ اس میں اہلِ تفسیر کا اختلاف ہے۔ عکرمہ کے نزدیک وہ لباس مراد ہے جو قیامت کے دن متقیوں کو دے گا (رواہ ابن ابی حاتم) زید بن علی سدی قتادہ اور ابن جریج نے کہا کہ اس سے مراد ایمان ہے۔ عوفی نے بروایت ابن عباسؓ بیان کیا کہ اس سے مراد اعمالِ صالحہ ہیں۔ ابن عباسؓ کی دوسری روایت میں آیا ہے کہ ستودہ اخلاق مراد ہیں۔ عروہ ابن زبیر کہتے ہیں کہ خوفِ الٰہی مع محبت مراد ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید کے قول کے مطابق اللہ سے ڈر کر اپنی شرم گاہ چھپانا مراد ہے۔ حضرت عثمانؓ نے اس کی تفسیر نیک خصلت سے کی ہے۔ بہرحال یہ سب معانی قریب قریب ہیں۔

نکتۂ خاص

اہلِ تصوف نے لباس التقویٰ کی بہترین وضاحت کی ہے جس کو باختصار ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہر گروہ کا ایک مخصوص لباس ہے۔ عارفوں کا لباس معرفت، محبّین کا لباس محبت، مشتاقوں کا لباس شوق، موحدین کا لباس توحید، انبیاء کا لباس نبوت اور مرسلین کا لباس رسالت ہے اور ہر ایک کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ باطنی لباس تو محض اللہ کی نظرِ رحمت کے لئے ہے اور ظاہری زینت شریعت کے لئے ہے۔ پس اس زینت سے جو لوگ حقیقت میں آراستہ ہیں اُن کو انوارِ قرب حاصل ہوتے ہیں اور اسی زمرہ سے وہ مخلوق کی نظر میں مزیّن اور پُرجلال ہو جاتے ہیں۔

واسطی نے فرمایا کہ سورہ درحقیقت جہالت ہے اور بہترین زینت یہ ہے کہ بندہ لباسِ تقویٰ سے آراستہ ہے۔ یہ لباس ایسی زرہ ہے کہ اس کو کسی مکر کرنے والے کا حسد نہیں پھاڑ سکتا کیونکہ وہ اصل میں دل کا لباس ہے اور ظاہری پرہیزگاری اس کی علامت ہے کہ ہر بات میں اللہ کا ادب رکھتا ہو۔ یعنی اُس کے سوا کچھ نظر نہ آتا ہو۔ پس تم غور کر لو کہ تم نے کونسا لباس پہنا ہے۔ لباس صدق یا قمیص فسق۔

نصرآبادی کا قول ہے کہ لباس تقویٰ لباسِ حقانی ہے اور جو لباس سورت کو چھپاتا ہے وہ لباسِ کرامت ہے اور لباسِ تقویٰ ہی لباسِ ایمان ہے۔ بعض صوفیاء کا قول ہے کہ لباس ہدایت تو عوام کے لئے ہے اور لباسِ تقویٰ خواص کے لئے اور لباس ہیبت عارفوں کے لئے اور لباسِ زینت دنیا والوں کے لئے اور لباس نظارہ و مشاہدہ اولیاء کے لئے اور لباس حضوری انبیاء کے لئے۔

مقصودِ بیان

برہنگی عیب ہے جس کے دُور کرنے کو خدا تعالیٰ نے لباس عطا کیا۔ لباس کے دو فوائد ہیں۔ برہنگی دور کرتا ہے۔ آدمی کو زینت دیتا ہے۔ آیت میں اس طرف واضح اشارہ ہے کہ شیطان نے جس طرح حضرت آدم و حوا کو لباسِ تن سے معرّا اور برہنہ کیا تھا۔ اسی طرح وہ ہر آدمی کا لباسِ تقویٰ اُتروانے کے درپے ہے۔ حالانکہ لباس درحقیقت تقویٰ ہی ہے۔ یہی انسان کے اندرونی عیوب کو دور کرتا ہے اور محاسن معنوی پیدا کرتا ہے۔ اس سے انسان کی انسانیت برہنہ ہونے سے محفوظ رہتی ہے اور شرف ذاتی سے آراستہ ہوتی ہے۔ آیت میں اس طرف بھی ایماء ہے کہ اگر آدمی دنیا بھر کے بہترین کپڑے اوڑھے اور باطن میں اخلاق مذمومہ اور ناپاک اعمال رکھتا ہو تو وہ ننگوں سے بدتر ہے اور اگر باطنی لباسِ تقویٰ سے آراستہ ہو تو پھٹے پُرانے کپڑے بھی زینت کاملہ ہیں۔ اور درحقیقت یہ آیاتِ الٰہی میں سے ہے کہ کورِ باطن، بے ایمان بداعتقاد لوگوں کو نظر نہیں آتا۔ وغیرہ

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ

اے اولادِ آدم کہیں شیطان تم کو دھوکہ نہ دے جس طرح (دھوکہ دے کر) تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکال دیا

يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ۭ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ

اور اُن کے لباس اُن سے اُتار لئے تاکہ اُن کی شرمگاہیں برہنہ کر دے بیشک شیطان اور اُن کا کنبہ تم کو اس طرح سے دیکھتا ہے

toobaafoundation.com

مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۗ إِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ أَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا

کر تم اُن کو نہیں دیکھتے ہم نے شیطانوں کو بے ایمانوں کا دوست

يُؤْمِنُوْنَ ۝

بنا دیا ہے

تفسیر شیطانوں کے اجسام بہت ہی شبک اور خفیف ہیں اور پھر اُن میں (بر قول معتزلہ) کوئی رنگ بھی نہیں ہے۔ اس لئے نظر نہیں آتے ہاں وہ خود آدمیوں کو دیکھتے ہیں۔ ابن الجوزی نے ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ نے شیطانوں کو یہ طاقت عطا کی ہے کہ وہ آدمیوں کے اندر اُن کے خون کی طرح رواں ہیں۔ لوگوں کے دل اس کے مسکن ہیں۔ ہاں جن لوگوں کو اللہ نے محفوظ کر دیا اُن کے سینے شیطانوں کی قیام گاہ نہیں رہیں۔ پس شیطان آدمیوں کو دیکھتے ہیں اور آدمی شیطانوں کو نہیں دیکھتے۔

ایک خاص بحث معتزلہ کے نزدیک اِسی آیت کی بنا پر شیطان کا دکھائی دینا ناممکن ہے حالانکہ یہ استدلال غلط ہے۔ آیت میں رویت شیطان کا ناممکن ہونا نہیں بیان کیا گیا۔ غیر مرئی ہونے سے رویت کا استحالہ ثابت نہیں ہو سکتا۔ ممکن ہے کہ اللہ جن کی آنکھوں میں قوت عطا کر دے وہ دیکھ لیں۔ مثلاً کوئی شخص آنکھ بند کر لے تو یہ یقینی بات ہے کہ وہ کسی کو نہ دیکھے گا اور اس کو کوئی شخص دکھائی نہ دے گا۔ لیکن یہ کہنا غلط ہوگا کہ وہ دیکھ نہیں سکتا۔ کیونکہ اگر وہ آنکھ کھول لے تو سب کچھ دیکھ سکتا ہے۔ پھر آیت نے تو صاف بتا رہی ہے کہ جس راہ سے شیطان آدمیوں کو دیکھتے ہیں اُس راہ سے آدمی شیطانوں کو نہیں دیکھتے۔ ہر قسم کی رویت کی نفی تو نہیں ہے۔ اِسی بنا پر قاضی زکریا نے فرمایا ہے کہ شیطان کا نظر آنا اور نہ آنا صرف اللہ کی عطا کردہ قوت پر مبنی ہے۔ جب خدا چاہتا ہے تو بعض لوگوں کو شیطان اپنی اصلی صورت پر نظر آ جاتا ہے۔ احادیث صحیحہ سے بھی یہی ثابت ہے۔

آیت کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اے اولاد آدم شیطان نے اپنی فتنہ پردازی سے تمہارے ماں باپ کو برہنہ کرا کے جنت سے نکلوایا۔ ایسا نہ ہو کہ تم بھی اُس کی فتنہ پردازیوں میں آجاؤ اور اُس کی پیروی کرنے لگو اس پر غرہ نہ کرنے لگنا کہ شیطان ہمارے پاس آ ہی نہیں سکتا تو پھر کیونکر ہم کو وہ غلا سکتا ہے بات یہ ہے کہ اُس کے نئے آنے کی اور تم کو دیکھنے کی وہ راہیں کھلی ہوئی ہیں جو تمہارے لئے کھلی ہوئی نہیں ہیں۔ شیطان اپنی ذریات (ابن عباس) یا قبائل سمیت تم کو دیکھتا ہے اور تم اس کو نہیں دیکھتے۔ لہٰذا اُس سے ہر وقت ہوشیار رہو اور اُس کے وسوسہ میں نہ پڑو۔ درحقیقت شیطان آدمیوں کے ہمزاد ہیں۔ دونوں کی طبیعتوں میں اتحاد ہے اگرچہ صورت اور نوع علیحدہ علیحدہ ہے۔

مقصود بیان شیطان کی پیروی سے بازداشت، شیطان کی فتنہ انگیزیوں کی بوضاحت اطلاع۔ شیطان کے نہ دکھائی دینے کی نفی۔ شیطان اور شیطان کا گروہ آدمیوں کو دیکھتا ہے اس کی صراحت۔ شیطان نما انسانوں اور شیطانوں کے مشترک الوصف ہونے کا اظہار اور اس امر کی تنصیص کہ یہ دونوں گروہ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اس طرف لطیف اشارہ کہ بے ایمان آدمی اور شیطان ایمان داروں کے دشمن اور بے ایمانوں کے دوست ہوتے ہیں۔ وغیرہ

وَإِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ أَمَرَنَا بِهَا ۗ قُلْ

جب وہ کوئی کھلا ہوا بُرا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے اسلاف کو اسی پر پایا ہے اور اللہ نے ہم کو یہی حکم دیا ہے (اے نبی) کہہ دے

toobaafoundation.com

إِنَّ اللَّهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ ۖ أَتَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ○

کہ اللہ بدکاری کا حکم نہیں دیتا ہے کیا تم اللہ پر (افترا کرکے) ایسی بات کہتے ہو جس سے تم خود ناواقف ہو

تفسیر زمانۂ جاہلیت میں مشرکوں کی عورتیں صرف شرمگاہ پر ایک لنگوٹ باندھ کر برہنہ ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کیا کرتی تھیں اور عموماً اہلِ جاہلیت ایامِ حج میں پیٹ بھر کر کھانا چھوڑ دیتے اور سدِ رمق سے زیادہ کھانا گناہ سمجھتے تھے اور بعض لوگ بکری کے دودھ اور گوشت اور گھی کو حرام کر لیتے تھے اور قریش کے علاوہ دوسرے خاندانوں کے مرد بھی برہنہ طواف کرتے اور ان رسومات کو ثواب کا کام سمجھتے تھے۔ جب اُن سے اس کی وجہ پوچھی جاتی تو بجز اس کے کوئی دلیل نہ تھی کہ بڑوں سے اسی طرح ہوتا چلا آیا ہے۔ اگر اس میں کوئی خرابی ہوتی تو وہ ایسا کیوں کرتے۔ ان واہیات رسوم وخیالات کے رد میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ فاحشہ وہ گناہ جس کی برائی انتہا درجہ کی ہو۔ اکثر مفسرین کے نزدیک اس سے مراد یہاں برہنہ طواف کرنا ہے۔ ابن عباس اور سدی وغیرہ کا یہی قول ہے۔ عطاء کا قول ہے کہ اس سے مراد شرک ہے لیکن صحیح وہ ہے جو ابن کثیر نے کہا کہ ہر گناہِ عظیم اور بے حیائی کے کام کو یہ لفظ شامل ہے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ وَإِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً قَالُوا وَجَدْنَا عَلَيْهَا آبَاءَنَا وَاللَّهُ أَمَرَنَا بِهَا جب یہ بے ایمان مشرک کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں اور اُن کو روکا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کی اقتدا کی ہے۔ ہمارے اسلاف بھی ایسا ہی کرتے تھے اور وہ بہر حال ہم سے اچھے تھے۔ دوسرے یہ کہ اللہ نے ہم کو اس کا حکم دیا ہے۔ یعنی ہمارے باپ دادا حکمِ خدا کے خلاف نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اللہ نے اُن کو اس کا حکم دیا تھا۔ لہٰذا وہی فعل اُسی حکم کے ساتھ ہم تک پہنچا اور ہم اس پر کاربند ہوئے۔ خدا تعالیٰ اس کے رد میں فرماتا ہے کہ قُلْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ ذرا ان سے یہ تو پوچھو کہ بھلا اللہ بھی کہیں بے حیائی کے کام کا حکم دیتا ہے یعنی اللہ کی عادت یوں ہی جاری ہے کہ محاسنِ اخلاق اور مکارمِ اخلاق کا حکم فرماتا ہے۔ وہ فحش باتوں کا حکم نہیں دیتا۔ کیا بے جانے بوجھے تم خدا پر دروغ بندی کرتے ہو۔ خواہ مخواہ بغیر واقفیت کے خدا پر افترا تراشی کرتے ہو۔ ایک حدیث مشہور بلکہ متواتر ہے کہ جو کوئی عمداً مجھ پر دروغ بندی کرے وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے۔

مسئلہ:۔ اعتقادات میں تو تقلید قطعاً ممنوع ہے۔ البتہ افعال میں تقلید اُس وقت تک جائز ہے جب تک کوئی شرعی دلیل اس کے خلاف موجود نہ ہو۔ اگر کوئی شرعی دلیل اُس فعل کے خلاف موجود ہو تو اُس وقت تقلید کرنی حرام ہے۔ (بیضاوی وابن کثیر)

مقصودِ بیان اسلاف کی پیروی اور کورانہ تقلید حرام ہے۔ بشرطیکہ حکمِ الٰہی کے خلاف ہو۔ اس امر کی صراحت کہ اللہ بے حیائی کے کاموں کا حکم نہیں دیتا۔ اس بات کی طرف اشارہ کہ اللہ محاسنِ افعال اور اچھی باتوں کا ہی حکم دیتا ہے۔ بغیر واقفیت ویقین کے کسی بات کا خدا کی طرف منسوب کرنا ممنوع ہے۔ وغیرہ

قُلْ أَمَرَ رَبِّي بِالْقِسْطِ ۖ وَأَقِيمُوا وُجُوهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَادْعُوهُ

کہہ دو کہ میرے رب نے انصاف کا حکم دیا ہے اور یہ (حکم دیا ہے) کہ ہر نماز کے وقت اپنا رخ سیدھا رکھو اور خلوصِ عبادت

مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ كَمَا بَدَأَكُمْ تَعُودُونَ ○ فَرِيقًا هَدَىٰ وَفَرِيقًا

کے ساتھ اُس کو پکارو جس طرح اُس نے تم کو پہلی بار پیدا کیا ہے دوسری بار بھی پیدا ہوگے ایک فریق کو اُس نے ہدایت دی اور ایک فریق

toobaafoundation.com

حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ۭ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِ

پر گمراہی ثابت ہوگئی بیشک انھوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو رفیق بنا رکھا ہے

اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝

اور سمجھتے ہیں کہ ہم ہدایت پر ہیں

تفسیر كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ مجاہد، حسن بصری، قتادہ اور ابن کثیر وغیرہ کے نزدیک تو یہ مطلب ہے
کہ اللہ تعالیٰ بعد موت کے تم کو زندہ کرے گا۔ جس طرح اس نے ابتداءً بغیر وجود سابق کے تم کو پیدا کیا۔ اسی طرح قیامت کے دن
پھر دوبارہ بھی زندہ کرے گا۔ عبدالرحمٰن ابن زید نے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ جس حالتِ جسمانی پر خدا نے تم کو پہلے پیدا کیا تھا اسی حالت پر تم کو آخرت میں
بھی پیدا کرے گا۔ اس قول کو ابن جریر نے پسند کیا ہے اور اسی کی مؤید ہے۔ وہ حدیث جو ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم
نے دورانِ تقریر میں ایک روز فرمایا۔ لوگو تم کو خدا کے پاس اٹھا کر لے جایا جائے گا۔ برہنہ پا برہنہ بدن غیر مختون۔ پھر حضورؐ نے یہ آیت پڑھی كَمَا
بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ۭ (رواہ البخاری ومسلم) سدی نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ جس طرح اللہ نے تمہارے ایک گروہ کو ہدایت یافتہ
اور دوسرے کو گمراہ پیدا کیا ہے کہ ان دونوں حالتوں سے ایک حالت پر اپنی ماؤں کے پیٹ سے پیدا ہوتے ہیں اسی طرح قیامت کے دن بھی تم کو
اعادہ فرمائے گا۔ یعنی جو دنیا میں ہدایت پر پیدا ہوا تھا وہ قیامت کے دن بھی مہتدی ہوگا اور جو دنیا میں گمراہ تھا وہ آخرت میں بھی گمراہ ہوگا۔ ابن
عباسؓ کی ایک روایت ہے کہ اللہ نے اولادِ آدم کی سرشت میں ایمان و کفر رکھا۔ بعض پیدائشی مومن ہیں بعض پیدائشی کافر۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے

ارشاد فرمایا ہے۔
هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ۭ اس قول کی تائید ابن مسعودؓ کی روایت کردہ حدیث سے ہوتی ہے جس
میں حضورؐ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ آدمی اہلِ جنت کے کام کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان
ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے پھر اس پر تقدیر کا لکھا غالب آتا ہے۔ پس وہ دوزخیوں کا کام کر گزرتا ہے اور دوزخ میں داخل ہوتا ہے۔ اور
بعض آدمی دوزخیوں کے کام کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے (پھر تقدیر کا لکھا غالب آتا ہے
اور وہ جنتیوں کے کام کرتا ہے اور جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ ہر آدمی اسی حالت پر مبعوث ہوگا جس پر وہ

مرا ہے۔
حاصل ارشاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر کام میں اعتدال کا حکم دیا ہے یعنی افراط و تفریط سے منع کیا ہے اور منجملہ اس کے لباس بھی ہے۔
لہٰذا نہ تو اس قدر کپڑوں کا بوجھ لادنا چاہیے کہ اٹھ بھی نہ سکے اور خواہ مخواہ روپیہ برباد ہو اور نہ اتنی خست کرے اور ایسا ناہد خشک ہو جائے
کہ برہنہ طواف کرے اور جس طرح ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔ ویسے ہی عبادت بھی کرے یہ دونوں فعل ممنوع ہیں اور اللہ نے یہ بھی حکم دیا ہے
کہ عبادت میں دو باتوں کا لحاظ رکھو۔ ایک تو ہر عبادت کے ظاہری احکام و شرائط پر استقامت کرو۔ ظاہری ارکان و اجزاء و شرائط میں کوئی
خرابی نہ آنے پائے۔ دوسرے عبادت کے وقت قلبی خلوص و خشوع رکھو۔ دل لگا کر اس کی بندگی کرو اور یاد رکھو کہ قیامت برحق ہے۔ خدا کے سامنے
ضرور جانا ہوگا۔ وہ اعادۂ تخلیق پر قادر ہے۔ جس طرح اس نے دنیا میں دو گروہ پیدا کیے نیک و بد اسی طرح آخرت میں بھی دونوں گروہ مختلف
ہوں گے۔ کچھ لوگ گمراہ ہوں گے اور کچھ ہدایت یافتہ۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ خدا نے گمراہ فرقہ کو ظلماً گمراہ کر دیا اور اس میں (نعوذ باللہ)
خدا کا قصور ہے بلکہ ان کی گمراہی کا اصلی سبب یہ ہے کہ انہوں نے نافرمانوں اور شیطانوں سے دنیا میں دوستی کی تھی۔ اعمال و افعال و عقائد و

toobaafoundation.com

خیالات اور صورت و سیرت میں اُن سے متفق تھے اور اللہ کو انھوں نے چھوڑ رکھا تھا۔ اُس کے حکم کی تعمیل نہ کرتے تھے شیطان کے کہنے پر چلتے تھے، اُسی کے بندہ فرمان تھے اور پھر طرہ یہ کہ باوجود گمراہ ہونے کے اپنے آپ کو ہدایت یافتہ سمجھتے تھے یعنی جہل مرکب میں مبتلا تھے۔

مقصود بیان ہر کام میں افراط و تفریط کی ضمنی ممانعت، اعتدال کا حکم، ہر عبادت کے ظاہری ارکان اور باطنی شرائط کو ملحوظ رکھنے کا امر واجب، اعادہ خلقت کی مساوات کی صراحت، ضلالت و ہدایت کے ازلی ہونے کی نفی، اس بات کی وضاحت کہ گمراہی انسان کے افعال سے پیدا ہوتی ہے۔ انسان کا اپنا عمل اس کا سبب ہے، نافرمانوں سے دوستی کرنے کی ضمنی ممانعت، جہل مرکب کی مذمت وغیرہ

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ

اے اولادِ آدم ہر نماز کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو اور کھاؤ پیو مگر بے جا خرچ مت کرو

اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ

بلاشبہ اللہ بے جا خرچ کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا (اے نبی) کہہ دو کس شخص نے اللہ کی وہ زینت جو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی

لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِىَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

اور کھانے کی پاکیزہ چیزیں حرام کیں (اے نبی) کہہ دو یہ دنیوی زندگانی میں مسلمانوں کے لئے ہیں اور قیامت

خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝

کے دن خالص انہی کے لئے ہوں گی اسی طرح ہم جاننے والوں کے لئے بہ تفصیل احکام بیان کرتے ہیں۔

تفسیر ان آیات کا مورد اور شانِ نزول اگرچہ خاص ہے جس طرح ہم نے اوپر بیان کر دیا لیکن حکم عام ہے۔ زینت سے ابن عباسؓ کے نزدیک لباس مراد ہے اور مسجد سے عام مسجد خواہ کوئی مسجد ہو۔ ہکذا قال مجاہد و عطاء و ابراہیم النخعی و سعید بن جبیر و قتادہ والسدی والضحاک والزہری وغیرہ واحد من ائمۃ السلف۔

حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ جتنے حصۂ بدن کا ڈھانکنا واجب ہے اُس کو ہر نماز و عبادت اور طواف کے وقت ضرور ڈھانک لیا کرو برہنہ عبادت نہ کیا کرو اور اگر زینت سے مراد عمدہ کپڑے ہوں تو امر وجوب کے لئے نہ ہوگا بلکہ استحباب کے لئے ہوگا۔ یعنی مستحب یہ ہے کہ عبادت و طواف کے وقت عمدہ کپڑے (بقدرِ استطاعت پہنا کرو) وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ اور جو حلال چیز چاہو کھاؤ پیو مگر حدِ اعتدال سے تجاوز نہ کرو۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں جو تیرا جی چاہے وہ کھا اور جو تیرا جی چاہے وہ پہن۔ جب تک کہ اسراف کرنا اور اترانا دونوں بدخصلتیں تجھ سے دور رہیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ اللہ نے کھانا اور پینا حلال کر دیا ہے جب تک کہ اسراف اور اترانا نہ ہو۔ اس سے آگے خداتعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ ابن عباسؓ نے اس کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ اللہ کھانے پینے میں اسراف کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا لیکن ٹھیک تفسیر وہ ہے جو ابن جریر نے بیان کی ہے کہ اللہ اُن لوگوں کو دوست نہیں رکھتا جو حرام و حلال کی حد سے تجاوز کرتے ہیں۔ حرام کو حلال یا حلال کو حرام کر لیتے ہیں۔

اس سے آگے فرماتا ہے:۔ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِىَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ اے نبی ان سے دریافت تو کرو کہ جس

toobaafoundation.com

خدا تعالیٰ نے مطاعم و ملابس پیدا کئے اور اپنے بندوں کو اس سے فائدہ اٹھانے کا موقع دیا تو اب اس کے علاوہ کس کو استحقاق ہو سکتا ہے کہ پہننے اور کھانے پینے کی پاک حلال چیزوں کو حرام کر سکے۔ پیدا کرنے اور دینے والا خدا۔ پھر اس کے علاوہ دوسرا حرام کرنے والا کون۔ دنیا میں اگرچہ کافر و مومن سب اس سے بہرہ اندوز ہونے میں شریک ہیں لیکن آخرت میں یہ نعمتیں صرف مسلمانوں کے لئے مخصوص ہیں۔

مقصودِ بیان مطاعم و ملابس اور تمام انواع تجملات میں اصل اباحت ہے۔ ہر چیز حلال ہے جب تک کوئی دلیل شرعی اس کی حرمت کی موجود نہ ہو۔ اچھا کھانا اور اچھا پہننا ممنوع یا مکروہ نہیں۔ حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرنا محض خدا کا کام ہے کسی انسان کو اس میں دخل نہیں۔ حد اعتدال سے تجاوز کرنا ممنوع ہے۔ آیت سے بالالتزام آجکل کے علماء کو تنبیہ مترشح ہوتی ہے جنہوں نے کھانے پینے کی چیزوں میں اور دیگر احکام میں تحلیل و تحریم کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا ہے۔ جس چیز کو دل چاہتا ہے حرام کر دیتے ہیں اور جس کو دل چاہتا ہے حلال کر دیتے ہیں حالانکہ ان کے پاس کوئی شرعی نص نہیں ہوتی۔

آیت میں اُن صوفیوں کو بھی نصیحت حاصل کرنا چاہیئے جو نفس کشی اس بات میں جانتے ہیں کہ اچھا کھانا نہ کھائیں۔ اچھا لباس نہ پہنیں اور تمام لذائذ کو ترک کر کے زاہد خشک بن جائیں اور دنیا و مافیہا کو چھوڑ کر گوشہ نشین ہو جائیں اور سب سے قطع تعلق کر لیں۔ وغیرہ

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ

کہہ دو کہ میرے رب نے صرف کھلی اور چھپی فحش باتوں کو اور گناہ کو اور ناحق زیادتی کرنے کو

بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى

اور اللہ کے ساتھ ایسی چیز شریک کرنے کو جس کی اُس نے کوئی سند نہیں اُتاری اور اس بات کی کہ اللہ پر تم نادانستہ

اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

افترا بندی کرو حرام کر دیا ہے

تفسیر کفار کا جو عقیدہ تھا کہ برہنہ طواف کرنا، خفیہ زنا کرنا وغیرہ جائز ہیں اور اللہ نے اس کا حکم دیا ہے۔ اس کی تردید عقلی اور طبعی طور پر اوپر کی آیات میں کر دی۔ اب یہ بتانا چاہتا ہے کہ جو امور اللہ نے حرام کئے ہیں وہ درحقیقت وہ نہیں جو کفار نے اپنے عقیدہ میں جما رکھے ہیں بلکہ ممنوعات تو یہ ہیں: خفیہ و علانیہ فواحش، اثم، ناحق زیادتی، شرک باللہ، بغیر سمجھے اللہ پر دروغ بندی کرنا۔ ان الفاظ کی تفسیر میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ صحیح قول یہ ہے کہ الفواحش سے مراد ہیں بے حیائی کے کام خواہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ۔ مثلاً زنا، محرمات کو دیکھنا، گالی گلوچ کرنا اور فحش بکنا۔ اثم سے مراد ہیں دیگر کبیرہ گناہ یعنی وہ عملی کبیرہ جن کو عرف میں بے حیائی کے کام نہیں کہا جاتا بلکہ اخلاقی جرم سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً شراب پینا، جوا کھیلنا، بغض، حسد، کینہ، دشمنی، جھوٹ وغیرہ۔ بغی بغیر الحق میں ہر قسم کا ظلم، زیادتی اور حق تلفی داخل ہے۔ خواہ کسی کی آبرو پر حملہ ہو یا مال پر یا جان پر۔ اس کے بعد شرک باللہ افترا علی اللہ میں ہر قسم کا شرک اور دروغ بندی داخل ہے۔ عقیدہ کی خرابی دو ہی قسم کی ہو سکتی ہے۔ ایک تو یہ کہ خدائی اوصاف کا مالک دوسرے کو سمجھا جائے اور اللہ کی ربوبیت یا الوہیت میں دوسرے کو شریک سمجھا جائے۔ یا یہ کہ عقیدہ توحید ہی کا ہو اللہ کے سوا کسی کو خدائی اوصاف کا مالک نہ سمجھا جائے مگر اپنے مطلب کے لئے اُن اوامر و نواہی کو خدا کی طرف منسوب کیا جائے جن کی کوئی اصل نہیں۔ پہلی شق کی طرف اَنْ تُشْرِكُوْا الخ سے اور دوسری شق کی طرف اَنْ تَقُوْلُوْا سے اشارہ کیا۔

بعض مفسرین کا قول ہے کہ گناہ کی پانچ قسمیں ہیں۔ اول وہ جن کا اثر بد نسب پر پہنچتا ہے۔ وہ زنا ہے جس کو الفواحش میں تعبیر کیا۔ دوم وہ

toobaafoundation.com

جن کا اثر عقل پر پہنچتا ہے۔ وہ شراب ہے جس کو الاثم سے تعبیر کیا۔ سوم وہ جن کا اثر عزت پر پڑتا ہے۔ چہارم وہ جن کا اثر مال و جان پر پہنچتا ہے اُن کی طرف البغی بغیر الحق میں اشارہ کیا ہے۔ پنجم وہ جن کا اثر بدروح اور دین پر پڑتا ہے۔ ان کو ان تشرکوا الخ میں بیان کیا۔

اہلِ تصوف کہتے ہیں کہ فواحش دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ظاہری اور باطنی۔ ظاہری فواحش تو وہ ہیں جو آدمی کو ظاہر عبادت سے روک دیتے ہیں اور باطنی فواحش وہ ہیں جو دل کے اندر وسواس پیدا کر کے مشاہدۂ حق سے روک دیتے ہیں۔ اثم کے اندر اللہ کے نیک بندوں کا واضح انکار داخل ہے۔ اور بغی میں نیک بندوں سے اندرونی حسد کرنا داخل ہے۔ پھر ان تشرکوا الخ میں یہ بات واضح کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے علو و کبریائی میں اس حالت پر ہے کہ اس کی الوہیت میں کوئی اُس کا شریک نہیں۔ اور جو لوگ علوم لدنی کے مدعی ہیں اُن کے منہ میں خاک جھونکنے کو وَاَنْ تَقُوْلُوْا الخ نازل فرمائی۔ ابو عثمان کہتے ہیں کہ اگر تم طاعت ایسی کرو جس سے مقصود اللہ کے علاوہ کوئی اور ہو تو یہ فواحش میں داخل ہے۔

مقصودِ بیان کفار کے رسوم و عقائد کی مدلل تردید، ہر قسم کی بے حیائی، ضرر رسانی، شرک، افتراء، دروغ بندی وغیرہ کی ممانعت مالا تعلمون سے اس طرف اشارہ ہے کہ تم کو خود نہیں معلوم کہ یہ حکم اللہ کی طرف سے ہے یا نہیں نہ تمہارے پاس اس کو جاننے کا کوئی ذریعہ ہے۔ صرف قیاس و تخمین ہے اللہ کی طرف کسی حکم کو منسوب کرنا قطعاً حرام ہے۔ اس سے یہ بات بھی مترشح ہوتی ہے کہ بغیر علم کے فتویٰ دینا اور بغیر تحقیق کے یہ کہنا کہ قرآن میں اس طرح آیا ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا ہے بالکل ناجائز ہے۔ وغیرہ

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً

ہر قوم کا ایک وقت مقرر ہے جب اُن کا وقت آپہنچتا ہے تو پھر ایک ساعت نہ وہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں

وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ○

نہ آگے بڑھ سکتے ہیں

تفسیر یہ اہلِ مکہ کو خصوصاً اور تمام اہلِ کفر و معاصی کو عموماً تہدید ہے۔ اَجَل کے معنی ہیں وقت معین۔ اس سے مراد یا تو نزولِ عذاب کا وقت معین ہے یا زندگی کے اختتام کا۔ بلکہ مناسب یہ ہے کہ وقتِ معین کی تخصیص نہ کی جائے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر گروہ اور ہر قوم کے اقبال و ادبار، ترقی و انحطاط اور عذاب و موت کا ایک وقت معین ہے۔ وقت خاص سے پہلے نہ عذاب آسکتا ہے نہ موت۔ لیکن جب وہ وقت خاص آجاتا ہے تو پھر تقدیم و تاخیر اور اس سے آگے پیچھے ہونا ناممکن ہے۔ اسی مضمون کو دوسری آیت میں ان الفاظ میں ادا کیا ہے کہ:۔ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ○ تیسری آیت میں بھی یہی مضمون ہے:۔ اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ۔ ایک اور آیت بھی یہی مضمون کی ہے:۔ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا الخ۔ حاصلِ مدعا ان تمام آیات کا ایک ہی ہے کہ وقتِ معین ٹل نہیں سکتا۔

آیت مذکورہ کا اصل مدعا یہ ہے کہ حرام افعال کا ارتکاب کرنے والوں کو اگر جلد سزا نہیں ملتی تو اس سے کسی کو ان افعال کی تحریم میں شبہ نہ ہونا چاہیئے اس لئے کہ ہر قوم کی سزا کے لئے بمقتضائے حکمت خدا ایک وقت مقرر ہے۔ جب وہ وقت آجاتا ہے تو مہلت نہیں ملتی اور وقت سے پہلے ہلاک بھی نہیں ہوتے۔ پس قبل از وقت سزا نہ ہونا اس کی علامت نہیں کہ ان کو سزا ہی نہ ہوگی۔ لہٰذا مسلمانوں کو اطاعتِ خدا اور رسول پر جما رہنا چاہیئے اور اسی عہد پر قائم رہنا چاہیئے جو عالم ارواح میں کر چکے ہیں۔ چنانچہ آئندہ آیت میں اسی عہد کو یاد دلایا جاتا ہے۔

تحقیق مبحث عمر میں کمی بیشی ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اس میں اہلِ تحقیق کا اختلاف ہے۔ آیات مذکورۂ بالا نیز احادیث صحیحہ کی بنا پر جمہور کا قول یہ ہے کہ کسی سبب سے ہو عمر میں کمی بیشی ہو نہیں سکتی۔ حسن بصری فرماتے تھے کہ لوگ بڑے احمق ہیں جو کہتے ہیں کہ اے میرے پروردگار اُس کی عمر میں درازی دے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:۔ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ الخ لیکن جمہور کے قول کے خلاف

toobaafoundation.com

چند آیات و احادیث کا مفہوم معلوم ہوتا ہے۔

(۱) خدا تعالیٰ فرماتا ہے یَمۡحُوا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَ یُثۡبِتُ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز میں محو و اثبات بحکم الٰہی ہوتا ہے لہٰذا عمر میں بھی کمی بیشی ہو سکتی ہے۔

(۲) خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَا یُعَمَّرُ مِنۡ مُّعَمَّرٍ وَّلَا یُنۡقَصُ مِنۡ عُمُرِہٖۤ اِلَّا فِیۡ کِتٰبٍ آیت سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ عمر میں درازی اور کمی اس حکم کے مطابق جو لوح محفوظ میں درج ہے ہو سکتی ہے۔

(۳) خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ ثُمَّ قَضٰۤی اَجَلًا ؕ وَ اَجَلٌ مُّسَمًّی عِنۡدَہٗ ۔ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ آدمی کے واسطے دو اجل ہیں ان میں سے اللہ جس کو چاہتا ہے آدمی کے واسطے مقرر کر دیتا ہے۔ زائد عمر کا حکم دیتا ہے یا ناقص کا۔

(۴) صحیحین میں وارد ہے کہ حضور پاکؐ نے فرمایا کہ کنبہ پروری عمر میں زیادتی کر دیتی ہے۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے جو شخص اپنی عمر و اجل کی درازی اور وسعتِ رزق چاہتا ہو تو اللہ سے ڈرے اور کنبہ پروری کرے۔ ایک روایت میں ہے کنبہ پروری، خوش خلقی اور ہمسایہ سے اچھا سلوک کرنا بستیوں کو آباد اور عمروں کو فراواں کر دیتا ہے۔ جمہور کی طرف سے ان شبہات کے جوابات حسب ذیل ترتیب وار دیئے گئے ہیں:-

(۱) محو و اثبات کے یہ معنی ہیں کہ جو فرائض و شرائع خدا چاہتا ہے محو فرماتا اور جو قوانین و احکام چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے اُن کو منسوخ نہیں فرماتا اور یہ تمام ناسخ و منسوخ اُس کے پاس اُم الکتاب میں موجود ہیں۔

یہ بھی جواب ہو سکتا ہے کہ محو و اثبات سے مراد یہ ہے کہ ملائکہ حافظین کی کتابوں میں جو امور حسنات و سیئات کے علاوہ ہیں اُن میں سے جس کو خدا چاہتا ہے مٹا دیتا ہے جس کو چاہتا ہے برقرار رکھتا ہے۔ یعنی فرشتے تو نیکی اور بدی اور ان کے علاوہ جو کچھ بھی آدمی کرتا ہے سب کچھ لکھ لیتے ہیں لیکن خدا تعالیٰ نیکی اور بدی کو تو برقرار رکھتا ہے اور اس کے علاوہ جس چیز کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے برقرار رکھتا ہے۔

یہ بھی جواب ہو سکتا ہے کہ محو و اثبات بمعنی معافی و عدم معافی کے ہیں یعنی اللہ جو چاہتا ہے معاف فرما دیتا ہے اور جو چاہتا ہے نہیں معاف فرماتا۔

یہ بھی جواب ممکن ہے کہ محو سے مراد ہے ہلاک کرنا اور اثبات سے مراد ہے باقی رکھنا۔ یعنی اللہ جس فرد جس قوم اور جس شے کو چاہتا ہے ہلاک کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہلاک نہیں کرتا۔

(۲) آیت مَا یُعَمَّرُ مِنۡ مُّعَمَّرٍ الخ میں معمر سے طویل العمر اور ناقص سے قصیر العمر مراد ہے یا مَا یُعَمَّرُ مِنۡ مُّعَمَّرٍ سے عمر آئندہ اور لَا یُنۡقَصُ مِنۡ عُمُرِہٖۤ سے عمر گزشتہ مراد ہے۔ یا یہ مراد ہے کہ بعض لوگوں کی عمر دائرہ مُبرَم تک پہنچتی ہے اور بعض کی عمر اس سے کم ہوتی ہے۔

(۳) بیشک دو اجل مقرر ہیں۔ ایک اجل مُبرَم جو ناقابلِ زوال ہے۔ دوسری معلق جو قابلِ زوال ہے۔ جب اجل مبرم آجاتی ہے تو پھر تقدیم تاخیر ناممکن ہے۔ اگرچہ اس اجل کے آنے سے قبل تعلیق تھی اور دعا یا کسی فعلِ خیر یا صلۂ رحمی سے اس معلق کی تاخیر ہو سکتی تھی۔ اسی سے احادیث مذکورہ کا جواب بھی ظاہر ہو گیا۔

مقصدِ بیان کافروں کو وعید مسلمانوں کو اطاعتِ خدا اور رسول پر قائم رہنے کی ضمنی خفیہ ہدایت۔ عذاب سے ترہیب۔ اس امر کی صراحت کہ اچھائی برائی نیکی بدی، موت زلیت، سزا جزا غرض یہ کہ ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے۔ وغیرہ

یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ اِمَّا یَاۡتِیَنَّکُمۡ رُسُلٌ مِّنۡکُمۡ یَقُصُّوۡنَ عَلَیۡکُمۡ اٰیٰتِیۡ ۙ فَمَنِ

اے اولادِ آدم اگر تمہارے پاس تمہاری جنس کے پیغمبر آئیں اور تم سے میرے احکام بیان کریں تو جو لوگ

toobaafoundation.com

اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا

پرہیزگاری کریں گے اور نیک کام کریں گے اُن کو نہ کچھ خوف ہوگا نہ وہ غمگین ہوں گے اور جو لوگ ہماری آیتوں کی تکذیب

بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○

کریں گے اور اُن سے سرکشی کریں گے وہی دوزخی ہیں وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے

تفسیر گزشتہ آیت میں عالمِ آخرت کی ابتدائی کڑی یعنی موت کی حالت کو بیان کیا تھا۔ اب عالمِ آخرت کے ثواب و عتاب کا سبب بتاتا ہے اور درپردہ مسلمانوں کو تنبیہ فرماتا ہے کہ تم کو اُسی عہد پر قائم رہنا چاہیئے جو ازل میں کر چکے ہو۔ ارشاد ہوتا ہے:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ہم نے بروزِ ازل کہہ دیا تھا کہ اے اولادِ آدم ہمارے پیام رساں اور معلمینِ ہدایت پہنچانے والے تمہارے پاس پہنچیں اور تم کو میرے احکام سنائیں تو تم اُن کی ہدایت پر چلنا اور اُن کی نصیحت قبول کرنا۔ اُن کے اقوال سے سرتابی نہ کرنا اور نہ اُن کی تکذیب کرنا۔ کیونکہ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ تم میں سے جو لوگ شرک سے بچے رہیں گے اور اعمال کو درست کرلیں گے اُن کو قیامت کے دن نہ آئندہ کا خوف ہوگا نہ گزشتہ کا غم۔ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○ اور جو لوگ ہمارے احکام نہ مانیں گے، ایمان نہ لائیں گے اور سرتابی کریں گے وہ دوامی دوزخی ہوں گے۔ پھر کبھی رہائی نہ ملے گی۔

مقصودِ بیان وعدۂ ازل اور نصیحتِ فطری کی یاد دہانی، ایمان و تقویٰ و عملِ صالح کی درپردہ ترغیب، کفر و معاصی و سرکشی سے ممانعت و ترہیب، اس امر پر دلالت کہ انبیاء کو ہدایتِ خلق کے لئے بھیجنا خدا تعالیٰ پر واجب نہیں بلکہ جائز کی حد تک ہے۔ یہ خدا کی عنایت ہے کہ اُس نے پیغمبروں کو بھیجا۔ اس نکتہ کی طرف لفظ اِنْ سے اشارہ کیا کیونکہ اِنْ شک کے لئے کلام عربی میں مستعمل ہوتا ہے اور شک کے دونوں رُخ مساوی ہوتے ہیں۔ اَصْحٰبُ النَّارِ کا لفظ کفار کے دوامی عذاب پر دلالت کرتا ہے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ

کیونکہ اُس سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ پر دروغ بندی کرے یا اللہ کی آیتوں کی تکذیب کرے یہی لوگ ہیں جن کو اُن کا

نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا

حصہ لوحِ محفوظ کا لکھا ہوا پہنچے گا یہاں تک کہ جب ہمارے فرشتے اُن کی روحیں قبض کرنے اُن کے پاس پہنچیں گے تو اُن سے کہیں گے

كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓي

اب وہ چیزیں کہاں ہیں جن کو اللہ کے سوا تم پکارا کرتے تھے وہ جواب دیں گے وہ ہم سے گم گئے گزرے ہوئے اور اپنے اوپر آپ

اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ○

گواہی دیں گے کہ وہ کافر تھے

toobaafoundation.com

تفسیر فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ یعنی جو لوگ کسی کو اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں خواہ قول سے یا عمل سے یا اعتقاد سے یا عیوب و نقائص کی نسبت اللہ کی طرف کرتے ہیں یا کہتے ہیں کہ فواحش پر عمل کرنے کا حکم ہم کو خدا نے دیا ہے اور اولٰئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ؕ غرض یہ کہ کسی قسم کی دروغ بندی خدا پر کرتے ہیں۔ خواہ قولی یا عملی یا اعتقادی یا قرآن پاک کو نہیں مانتے اور اس کو کلامِ الٰہی نہیں جانتے اُن کو حسب تحریر تقدیر کے موافق ہر بُرائی بھلائی پہنچے گی (یہ تفسیر مجاہد، قتادہ، ابن جریر اور ابن کثیر وغیرہ نے کی ہے مگر محمد بن کعب قرظی اور ربیع بن انس اور عبدالرحمٰن بن زید نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ رزق و اجل جو کچھ اُن کے لئے مقرر ہو چکا ہے جب ان کو دنیا میں مل چکتا ہے) اور حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْۤا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ بالآخر ملائکۂ موت اُن کی روح قبض کرنے پہنچتے ہیں اور نزع کا عالم ہوتا ہے تو فرشتے اُن سے پوچھتے ہیں۔ اب اپنے جھوٹے معبودوں کو بلاؤ جن کی پرستش اللہ کو چھوڑ کر کیا کرتے تھے۔ اب وہ کہاں ہیں۔

قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ۝ وہ جواب دیتے ہیں وہ تو ہم کو چھوڑ کر رفو چکر ہو گئے۔ یعنی اب ہم کو ان سے مدد و نفع کی اُمید نہیں اور بالآخر یہ لوگ خود اپنے کافر ہونے کا اقرار کریں گے۔

مقصودِ بیان دروغ بندی اور افترا پردازی کی قباحت کا اظہار، کفار کی عبرتناک حالت اور اُن کی بے چارگی و بے بسی کا بیان۔ اس امر پر تنبیہ کہ قیامت کے دن معبودانِ باطل اپنے پجاریوں سے الگ ہو جائیں گے اور کوئی کسی کے کام نہ آئے گا۔ وغیرہ

قَالَ ادْخُلُوْا فِيْۤ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ ؕ

(حکم ہوگا) جنات و انسانوں کے اُن گروہوں میں شامل ہو کر جو تم سے پہلے گزر گئے ہیں جہنم میں داخل ہو جاؤ

كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ

جب ایک گروہ داخل ہوگا تو وہ اپنے جیسے دوسرے گروہ پر لعنت کریگا یہاں تک کہ جب سب کے سب اس میں پہنچ جائیں گے تو پچھلی

اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ؕ

جماعت پہلی جماعت کو کہے گی ہمارے پروردگار انھوں نے ہم کو گمراہ کیا ان کو تو دوگنا عذاب دے اللہ فرمائے گا

قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا

ہر ایک کو دوگنا عذاب (ہو رہا) ہے مگر تم جانتے نہیں ہو اور پہلی جماعت پچھلی جماعت کو کہے گی کہ اب

كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ۝ (٤) ع ٤

تم کو ہم پر کوئی فضیلت نہیں ہے لہٰذا اپنے کرتوت کی پاداش میں عذاب کا مزہ چکھو

تفسیر یہ روزِ آخرت کی حالت کا بیان ہے۔ یعنی قیامت کے دن اللہ یا دوزخ کا فرشتہ یا کوئی خدا کی طرف سے منادی کہے گا۔ قَالَ ادْخُلُوْا فِيْۤ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ ؕ تم اُنہی اُمتوں کے ساتھ مل کر آگ میں داخل ہو جاؤ جو تم سے پہلے گزر چکی ہیں۔ مطلب یہ کہ وہ شیطان اور شیطان نما انسان تمہارے پیشوا اور رہبر تھے۔ تم اُن کے طریقے پر چلے تھے۔ لہٰذا عذاب

toobaafoundation.com

میں بھی اُنہی کے ساتھ شامل ہو جاؤ۔ جب آخرکار سب دوزخ میں داخل ہو جائیں گے

كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَّعَنَتْ أُخْتَهَا ۖ لیکن جب کوئی نیا گروہ دوزخ میں جائے گا تو وہ پہلے داخل شدہ گروہوں کو لعنت ملامت کرے گا کیونکہ اُس نے اس کی اقتدا کی تھی۔

حَتَّىٰ إِذَا ادَّارَكُوا فِيهَا جَمِيعًا قَالَتْ أُخْرَاهُمْ لِأُولَاهُمْ رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ أَضَلُّونَا فَآتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ۖ

یہاں تک کہ جب سب اگلے پچھلے کافر دوزخ میں جمع ہو جائیں گے تو تابع گروہ متبوع گروہ کے متعلق کہے گا پروردگار! ان کو دوگنا عذاب دے۔ انھوں نے ہم کو گمراہ کیا۔ نہ یہ رسم بد قائم کرتے نہ ہم اس پر چل کر تباہ ہوتے۔

قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَلَٰكِن لَّا تَعْلَمُونَ ○ خدا تعالیٰ فرمائے گا تم میں سے ہر گروہ کو دوگنا عذاب ہے۔ مگر تم دوسرے فریق کے عذاب کو نہیں جانتے اس لئے ایسا کہتے ہو۔ یعنی ایک حساب سے پہلی امت کا گناہ بڑا ہے کہ انھوں نے ایک نمونہ بد قائم کیا اور پچھلوں کے لئے بری راہ کھولی اور ایک حساب سے پچھلوں کا گناہ زیادہ ہے اور زیادہ قابل گرفت ہے کہ انھوں نے پہلوں کا حال سُن کر اور ان کی حالت دیکھ کر بھی عبرت نہ پکڑی۔

وَقَالَتْ أُولَاهُمْ لِأُخْرَاهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِن فَضْلٍ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْسِبُونَ ○ غرض جب خدا تعالیٰ کا یہ حکم آخری متبوع گروہ سُنے گا تو کہے گا کہ اب تم کو ہم پر کوئی فضیلت نہیں گمراہی اور استحقاقِ عذاب میں۔ ہم تم دونوں برابر ہیں لہٰذا تم بھی اپنے کئے کا مزہ چکھو۔

مقصودِ بیان اس بات کی طرف اشارہ کہ کورانہ تقلید اور کسی کی جاہلانہ پیروی ممنوع ہے۔ مقلد اپنی جہالت کا عذر کر کے بھی نہیں بچ سکتے۔ قیامت کے دن جس طرح انسانوں کو عذاب ہوگا اسی طرح جنات کو بھی جو کافر ہیں عذاب ہوگا۔

إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ

بلاشبہ جن لوگوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی اور اُن سے سرکشی کی اُن کے لئے آسمانوں کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے

وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّىٰ يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي

اور وہ جنت میں داخل ہوں گے تاوقتیکہ سوئی کے ناکے میں اونٹ نہ چلا جائے اسی طرح ہم گنہ گاروں

الْمُجْرِمِينَ ○ لَهُم مِّن جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَمِن فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ۚ وَكَذَٰلِكَ

کو سزا دیتے ہیں اُن کے لئے دوزخ سے بچھونا ہے اور اوپر اُن کے بالاپوشش ہیں اور ظالموں کو

نَجْزِي الظَّالِمِينَ ○ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا

ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور ہم تو طاقت سے زیادہ کسی کو

إِلَّا وُسْعَهَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ○

تکلیف نہیں دیتے تو وہی لوگ جنتی ہیں جنت میں ہمیشہ رہیں گے

toobaafoundation.com

تفسیر چونکہ آسمانوں میں باری تعالیٰ کی تجلیات کا زیادہ ظہور ہے۔ اجرام علویہ میں قدرت الٰہی کا پرتو بہت زیادہ نمایاں ہے۔ آفتاب ماہتاب اور دیگر ستارے اور تمام نورانی اجسام آسمان پر ہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ملائکہ و ارواح مطہرہ کے لئے آسمان کو مسکن قرار دیا اور پاک روحیں بدن سے خارج ہونے کے بعد اسی فضا ئے نورانی کی طرف جاتی ہیں اور رجو خبیث روحانی اور تاریک نفوس ہیں وہ بدن سے نکلنے کے بعد بھی اس مادی تاریک زمین کی طرف پھینک دیئے جاتے ہیں جو ان کے لئے طبعی مناسبت رکھتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:۔ اِنَّ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ اسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ۔ جن لوگوں نے قرآن کو نہ مانا اور اس پر ایمان نہ لائے اور سرتابی کی جب وہ مرجاتے ہیں تو ان کی روحوں کے لئے آسمانوں کے دروازے نہیں کھولے جاتے (سدی، ضحاک وغیرہ نے بھی تفسیر کی ہے۔ مگر مجاہد و سعید ابن جبیر نے یہ تفسیر کی ہے کہ کافروں کے اچھے کام بھی آسمانوں تک نہیں لے جائے جاتے)

وَلَا یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى یَلِجَ الْجَمَلُ فِیْ سَمِّ الْخِیَاطِ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُجْرِمِیْنَ ۝ اور وہ جنت میں کبھی داخل نہ ہوں گے جس طرح اونٹ کا داخلہ سوئی کے ناکے میں ناممکن ہے اسی طرح ان کا جنت میں داخل ہونا بھی محال ہے۔

لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّ مِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ ۝ اور وہ جنت میں کبھی داخل نہ ہوں گے۔ یہ سزا انہیں ظلماً نہیں دی جائے گی بلکہ انہوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا تھا۔ خود بے جا حرکات کی تھیں۔ ان کی بے جا حرکات کی یہ سزا ہوگی۔

وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَاۤ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ البتہ نیکوکار مومنوں کو دائمی جنت حاصل ہوگی۔ بلکہ نیکوکاری سے یہ مراد نہیں کہ ہر شخص انتہائی نیک ہو۔ کیونکہ ہر شخص کی طاقت سے یہ خارج ہے کہ انتہائی نیک بن جائے۔ بہت سے مجبور و معذور غیر مستطیع آدمی ہیں جو بعض قسم کی نیکیاں کرنے سے قاصر ہیں۔ مراد یہ ہے کہ بقدر طاقت و وسعت نیکی اختیار کرے تو اس کو کامل و کافی جزا ملے گی۔

مقصودِ بیان ترہیب و ترغیب اور وعظ و ارشاد کی انتہائی بلیغ الفاظ میں تصویر کشی۔ اس امر کی صراحت کہ کفار کبھی جنت میں داخل نہ ہوں گے۔ اس بات کی وضاحت کہ ارواح خبیثہ کو مرنے کے بعد صعود و قرب الٰہی حاصل نہیں ہوتا۔ اس بات کی نفی کہ عمل ایمان کا جزو نہیں بلکہ ایمان علیحدہ چیز ہے اور عمل علیحدہ شے ہے۔

آیت میں اس امر کی وضاحت بھی کر دی گئی کہ کافروں کو جو کچھ سزا ملے گی وہ ظلم پر مبنی نہ ہوگی بلکہ ان کے لئے پاداش ہوگی۔

اس بات کو بھی وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا گیا کہ خدا تعالیٰ کسی کو تکلیف مالا یطاق نہیں دیتا۔ وسعت سے زائد کوئی شخص تعمیل حکم پر مجبور نہیں۔ جتنی جس کی وسعت و طاقت ہو اتنی نیکی کرنی لازم ہے۔ وغیرہ

وَ نَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ وَ قَالُوا

اور ان کے دلوں میں باہم جو کدورت (دنیا میں) تھی ہم اس کو دور کر دیں گے ان کے (مکانوں کے) نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ کہیں گے

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَ مَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْ لَاۤ اَنْ هَدٰىنَا

اس اللہ کا شکر ہے جس نے ہم کو اس (بہشت کی) راہ بتائی اگر ہم کو اللہ راہ نہ بتاتا تو ہم راہ نہ

اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ وَ نُوْدُوْۤا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ

پاتے ہمارے رب کے پیغمبر سچی بات لے کر آئے تھے اس وقت ان کو ندا دی جائے گی کہ تم اپنے اعمال

toobaafoundation.com

اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

کے صلہ میں اُس جنّت کے مالک بنادیئے گئے

تفسیر حضرت ابوسعید خدری رضؓ سے مروی ہے کہ جب مومن دوزخ سے نجات پاجائیں گے تو جنّت و دوزخ کے درمیان ایک پُل پر روکے جائیں گے۔ پس جو حق حقوق دنیا میں اُن کے ایک دوسرے کے ذمّہ تھے اُن کا عوض لیا جائے گا۔ یہاں تک کہ جب پاک صاف ہوجائیں گے تو اُن کو جنّت میں داخل ہونے کا حکم دیا جائے گا۔ پس قسم ہے اُس خدا کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ ہر شخص جنّت میں اپنے مسکن کو اس سے زیادہ پہچانے گا جتنا کہ دنیا میں اپنے گھر کو پہچانتا تھا (رواہ البخاری)

قتادہ کی روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا مجھے امید ہے کہ میں اور عثمان اور طلحہ اور زبیر ان ہی لوگوں میں سے ہوں جن کی نسبت اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَنَزَعْنَا الخ (رواہ ابن جریر)

حسن بصری کی روایت ہے کہ حضرت علی رضؓ نے فرمایا واللہ آیت وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ ہم اہل بدر کے حق میں ہی نازل ہوئی۔

ارشاد ہوتا ہے کہ:۔ وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ۔ دنیا میں اہل ایمان کے درمیان جو کچھ رنجش تکدّر اور حسد و بغض ہوگیا ہوگا۔ جنّت میں داخل ہونے سے قبل ہم ان کی باہمی صفائی کرادیں گے اور پھر جنّت میں اُن کو داخل کریں گے۔

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۟ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۭ وہ خدا کا شکر اور حمد کریں گے کہ محض یہ توفیقِ الٰہی تھی کہ ہم کو ہدایت نصیب ہوئی۔ اگر اس کی توفیق نہ ہوتی تو ہم کو راہِ راست نہ مل سکتی۔ پیغمبروں نے ہم سے جو کچھ فرمایا تھا اور جو احکام ہم تک پہنچائے تھے وہ سب سچّے تھے۔ اس کے بعد جنّت میں پہنچ جائیں گے تو:۔

وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ ندا ہوگی کہ یہ جنّت جو تم کو عطا کی گئی ہے تمہارے اعمال کا صلہ ہے۔ مطلب یہ کہ تمہارے اعمال کے سبب تم کو رحمتِ الٰہی ملی اور رحمتِ الٰہی کی وجہ سے جنّت نصیب ہوئی۔ یہ مطلب نہیں کہ اعمالِ صالحہ دخولِ جنّت کے موجب ہیں۔ کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا ہے کہ کوئی شخص اپنے اعمال کے سبب جنّت میں داخل نہ ہوگا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا حضور بھی؟ فرمایا میں بھی مگر اُس وقت جبکہ خدا تعالیٰ مجھ کو اپنے فضل و رحمت سے ڈھانک لے۔ حاصل یہ کہ دخولِ جنّت رحمتِ الٰہی کے سبب ہوگا اور رحمت کے حصول کا سبب اعمالِ صالحہ ہیں۔

مقصودِ بیان دنیا میں ایک مسلمان کے دل میں عارضی طور پر دوسرے کی طرف سے کدورت ہو تو اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ البتّہ جنّت میں داخلہ اُس وقت ہوگا۔ جب آپس کی کدورتیں بالکل صاف ہوجائیں گی اور غالباً یہی مطلب ہے اُس حدیث کا کہ جس کے دل میں دوسرے مسلمان کی طرف سے حسد ہوگا وہ جنّت میں داخل ہونے سے قبل خواہ آخرت میں ہو یا دنیا میں صفائی قلب لازم ہے

آیت میں اس بات کی صراحت ہے کہ توفیق ہدایت بھی خدا ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔ جنّت اعمال کا صلہ ہے۔ یعنی حصول جنّت کا ذریعہ اعمال ہیں۔ وغیرہ

وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا

اور دوزخیوں کو اہل جنّت پکاریں گے کہ ہمارے رب نے جس چیز کا ہم سے وعدہ کیا تھا اُس کو تو ہم نے واقعی

toobaafoundation.com

حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ۗ قَالُوا نَعَمْ ۚ فَأَذَّنَ مُؤَذِّنٌ

پالیا کیا تم نے بھی اُس چیز کو واقعی پایا جو تمہارے رب نے وعدہ کیا تھا وہ کہیں گے ہاں پس ایک منادی والا اُن کے درمیان

بَيْنَهُمْ أَنْ لَّعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ ۝ الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَنْ

ندا دے گا کہ اُن ظالموں پر اللہ کی لعنت ہو جو راہِ خدا سے روکتے

سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ كَافِرُونَ ۝

ہیں اور اُس میں کجی نکالنی چاہتے ہیں اور آخرت کے منکر ہیں

تفسیر ولید بن مغیرہ، عاص ابن وائل اور ابوجہل وغیرہ سرداران کفار کہا کرتے تھے کہ بلال، عمار اور صہیب جیسے غریب فقیر تو جنت میں چلے جائیں اور ہم شریف امیر دوزخ میں، ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ اللہ پاک نے ان دونوں فریق کا حال اس آیت میں بیان فرما دیا۔ اس تقریر پر آیت کا نزول ایک خاص قصہ قرار پائے گا لیکن حکم بہرحال عام ہوگا۔ البتہ اصحاب النار سے مراد کفار ہیں کیونکہ کفار کے علاوہ گنہگار مومن دوامی دوزخی نہیں۔ پھر اہل جنت اور اہل دوزخ سے کل اہل جنت و اہل دوزخ مراد نہیں ہیں بلکہ بعض مراد ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابَ النَّارِ أَن قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدتُّم مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا یعنی دوزخیوں کو قائل کرنے کے لئے اہل جنت پکار کر اُن سے کہیں گے یعنی دنیا میں جو مومنوں کا مذاق اڑایا کرتے تھے اُن سے پکار کر کہیں گے کہ ہم سے جس کامیابی نجات و ثواب کا خدا نے وعدہ فرمایا تھا ہم نے اُس کو برحق پایا، ہم کو وہ سب کچھ مل گیا تو کیا جس عذاب عقاب سے خدا نے تم کو دنیا میں ڈرایا تھا تم نے بھی اُس کو برحق پایا اور وعید کے مطابق عذاب میں مبتلا ہوئے؟

قَالُوا نَعَمْ ۚ فَأَذَّنَ مُؤَذِّنٌ بَيْنَهُمْ أَن لَّعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ ۝ الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا وَهُم بِالْآخِرَةِ كَافِرُونَ ۝ ناچار دوزخی بولیں گے ہاں، وعدہ خدا برحق ثابت ہوگئی۔ ہم نے وعید کے مطابق عذاب پالیا۔ اُس وقت اسرافیل یا کوئی اور فرشتہ دونوں فریق کے درمیان ندا کرے گا کہ کافروں پر اللہ کی پھٹکار کیونکہ یہ لوگ نہ صرف خود گمراہ تھے بلکہ راہ خدا سے اوروں کو بھی روکتے تھے اور غیر اللہ کی تعظیم کرتے تھے۔ راہ مستقیم پر نہ چلتے تھے اور آخرت کے منکر تھے۔ جزا سزا بلکہ روز قیامت ہی کا انکار کرتے تھے۔ ان پر خدا کی لعنت ہے۔ غرض یہ کہ فرشتہ کافروں پر لعنت کرے گا اور خود ہی کافروں کے ان جرائم کو صاف بیان کردے گا ... جو درحقیقت اُن کے ملعون ہونے کے اسباب ہوں گے۔

ایک شبہ اور اُس کا ازالہ

یہاں ایک شبہ کیا جاتا ہے کہ جنت نام عالم قدس کا ہے جو بالکل فضا سے فوق ہے اور دوزخ نام ایک عالم تیرگی کا ہے جو دار العذاب ہے اور ان دونوں کے درمیان اتنی مسافت ہے جس کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ یہ کوئی دنیا کے چھوٹے چھوٹے دو مکان تو ہوں گے نہیں کہ ایک کے رہنے والے دوسرے کے رہنے والوں کو پکار سکیں۔ پھر کس طرح اہل جنت اہل دوزخ کو پکاریں گے؟

اس شبہ کا ازالہ اس طرح کیا جا سکتا ہے کہ دوزخ و جنت کی واقعی حقیقت ہمارے دماغوں میں آ نہیں سکتی۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ اتنی بڑی جنت جس میں کروڑہا کروڑ مخلوق خلقت آدم سے روز قیامت تک کی تمام آ جائے اور اتنی بڑی دوزخ کہ ہزاروں لاکھوں برس کے کل کفار اور

toobaafoundation.com

کی ہیئت مسلمان تمام کے تمام (اس میں سما سکیں) کہاں ہوگی یا کیا ہوسکتی ہے۔ پھر جنت کے لذائذ اور دوزخ کے انواع عذاب کی تفصیلی حالت بھی انسانی تجربہ اور مشاہدہ اور ادراک سے خارج ہے۔ اسی طرح اہل جنت کا اہل دوزخ کو پکارنا بھی ہماری سمجھ سے باہر ہے۔ ان جس طرح لذائذ جنت کی تصویر کشی کے لیے اور دوزخ کے انواع عذاب سے ڈرانے کے لیے قرآن پاک میں ترغیبی و ترہیبی طریقہ اختیار کیا گیا ہے اور الفاظ کا جامہ پہنا کر ہمارے سمجھانے کے لیے بطور تمثیل و تشبیہ کو سمجھانے کے لیے انگور، سیب، انار، گوشت وغیرہ، پینے کے لیے بہترین شراب و شربت، دودھ و شہد وغیرہ کا مرکب، رہنے کے لیے سونے چاندی کے مکان، موتیوں کے دروازے، مشک و عنبر کی سڑکیں، خدمت کے لیے حور و غلمان اور حکومت و تصرف کرنے اور ادنیٰ مسلمان کے لیے اتنی بڑی سلطنت جو دنیا سے بھی بڑی ہوگی بیان فرمائی۔ اور دوزخ کی حالت کی تصویر کشی کرنے کے لیے بطور تمثیل و تشبیہ انتہائی المناک کیفیات سوزش آتش، سانپ بچھو کا کاٹنا، کانٹوں میں کھینچا جانا، پیپ لہو کی خوراک ملنا، گرم پانی کا پلایا جانا وغیرہ ظاہر فرمائی گئیں۔ لیکن حقیقت کا خدا کو علم ہے کہ یہ تمام چیزیں کیسی ہوں گی۔ کیا کیفیات ہوں گی، کیا حالت ہوگی۔ مقصد صرف یہ ہے کہ عذاب الٰہی سے لوگ ڈر کر نافرمانی چھوڑ کر اور جنت کے طالب ہو کر نیکی کی طرف مائل ہوں۔

بس بالکل یہی حالت اور کیفیت نداء اہل جنت کی ہوگی۔ مقصد اصلی اس نداء کا یہ ہے کہ جنتی دوزخیوں کو قائل کریں گے۔ ان کی حسرتوں میں اضافہ کریں گے اور فیصلہ کی وجہ بھی ظاہر کر دیں گے۔ باقی نداء کیسی ہوگی، اس کی آواز، لہجہ اور طرز ادا کے ساتھ ہوگی یا کسی اور طریقہ سے۔ قریب سے پکاریں گے یا دور سے اور دوزخی ان کی آواز کس طرح سنیں گے۔ دوزخ کے شور کے باوجود جنتیوں کی آواز ان کے کانوں میں پہنچ جائے گی اور ہولناک عذاب میں مبتلا ہونے کے باوجود وہ جواب بھی دے سکیں گے اور وہ آواز اہل جنت تک پہنچ جائے گی۔ یہ تمام واقعات و کیفیات انسانی ادراک کی حد سے خارج ہیں۔ صرف سمجھانے کے لیے نیکی کی طرف مائل کرنے اور بدی سے باز رکھنے کے لیے الفاظ کے ذریعہ سے کیفیات کی تصویر کشی انتہائی اعجاز کے ساتھ کی گئی ہے۔ ورنہ کہاں عالم آخرت کی کیفیات اور کہاں ناقص مادی انسان کا کوتاہ نظر و دماغ۔

مقصود بیان کافروں کی حسرت و مایوسی اور اہل جنت کی خوشی و مسرت کی تصویر کشی، کفار کے نقصان ہونے کی علت کا اظہار، اس بات کی طرف اشارہ کہ آخرت کا انکار، راہ مستقیم کو چھوڑ کر ٹیڑھے راستہ پر چلنا اور راہ خدا سے لوگوں کو روکنا ممنوع ہے اور یہ تمام چیزیں اللہ کی لعنت میں ماخوذ ہونے کا ذریعہ ہیں۔ وغیرہ۔

وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمَاهُمْ ۚ

اور دوزخ و جنت کے درمیان ایک حجاب ہوگا | اور اعراف پر | کچھ لوگ ہوں گے | جو سب کو | اُن کے چہروں سے | پہچان لیں گے

وَنَادَوْا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ ۚ لَمْ يَدْخُلُوهَا وَهُمْ

اور | اہل جنت کو | آواز دیں گے | کہ تم پر | سلام ہو | اعراف والے ابھی جنت میں داخل نہیں ہوئے ہوں گے | مگر امید

يَطْمَعُونَ ۝ وَإِذَا صُرِفَتْ أَبْصَارُهُمْ تِلْقَاءَ أَصْحَابِ النَّارِ قَالُوا

رکھتے | ہوں گے | جب وقت | پھر ان کی آنکھیں | دوزخ والوں کی طرف | پھیر دی | جائیں گی | تو کہیں گے

۵ع
۶
۱۲

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝

پروردگار | ہم کو | ظالم لوگوں | کے ساتھ | نہ کرنا

toobaafoundation.com

تفسیر اہلِ جنت و دوزخ کی حالت اوپر کی آیت میں بیان کردی۔ اب دوزخ و جنت کے درجہ کی حالت کا بیان فرماتا ہے:۔ وَبَیْنَهُمَا حِجَابٌ جنت و دوزخ کے درمیان ایک درجہ ہوگا جو دونوں کا حدِ فاصل ہوگا۔ نہ اس میں دوزخ کی تکلیف نہ جنت کی راحت۔ یہ درجہ وہ ہوگا جہاں سے دونوں طرف یعنی اہلِ جنت و اہلِ دوزخ کی شناخت ہو سکے گی۔

وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّاۢ بِسِيْمٰىهُمْ ۚ وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۟ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ ۝ وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ اس درجہ کا نام اعراف ہے۔ اس درجہ میں کچھ لوگ موجود ہوں گے جو دوزخیوں کی روسیاہی اور جنتیوں کی شادابی چہرہ دیکھ کر ہر فریق کو پہچان لیں گے۔

اب رہی یہ بات کہ یہ کون لوگ ہوں گے؟ اس کے متعلق علماء کا اختلاف ہے اور اختلاف کی وجہ سے آیت کے مطلب میں بھی اختلاف ہوگیا ہے۔

ایک جماعت کہتی ہے کہ وہ اعلیٰ طبقہ کے لوگ ہوں گے جو ملائکہ یا انبیاء یا شہداء ہوں گے اور وہ لوگ ہوں گے جو دنیا میں خدا کے گواہ تھے۔ جو ہر اہلِ خیر ایماندار متقی اور اہلِ شر مشرک کافر فاسق کو پہچانتے تھے۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان کو اعراف یعنی بلند مقامات پر بٹھا کر ہر ایک اہلِ خیر و اہلِ شر کا انجام کار جنت و دوزخ دکھائے گا۔ حسن، مجاہد اور ابو مجلز وغیرہ کا یہی قول ہے۔ لیکن جمہور کے خلاف ہے۔

اس کا حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ کچھ لوگ عدالتِ آسمانی میں ہر ایک اہلِ خیر و شر کے لئے سچی سچی شہادت دینے کے لئے خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ گواہ ہوں گے جو بلند کرسیوں پر بیٹھے ہوں گے۔ جب تمام کا فیصلہ ہو چکے گا تب وہ جنت میں جائیں گے۔ فریقین کے فیصلہ کے قبل جنت میں نہ جائیں گے۔ مگر اس بات کی ان کو طمع یعنی یقین ہوگا کہ بعد میں جنت میں داخل ہوں گے۔ جب یہ اہلِ جنت کو دیکھیں گے تو بطورِ مبارکباد کہیں گے تم پر خدا کی رحمت و سلامتی ہو اور جب دوزخیوں کی طرف ان کی نظر پڑے گی تو خدا کی پناہ مانگیں گے کہ الٰہی تو اس ظالم گروہ سے ہم کو دور رکھیو۔

دوسری جماعت کہتی ہے کہ اہلِ اعراف وہ لوگ ہیں جن کی نیکی و بدی مساوی ہوگی۔ نہ جنت کے قابل ہوں گے نہ دوزخ کے جیسے مسلمانوں میں فساق یا اطفال مشرکین یا بغیر اجازت والدین جہاد میں جا کر شریک ہونے والے تو خدا تعالیٰ اُن کو جنت و دوزخ کے درمیان ایک بلند جگہ یعنی دوزخ سے اونچی جگہ پر رکھے گا۔ یہاں سے یہ فریقین کا حال دیکھیں گے۔ دوزخیوں کو دیکھ کر ڈریں گے اور پناہ مانگیں گے کہ الٰہی ان میں ہمیں داخل نہ کیجیو۔ اور اہلِ جنت کو دیکھ کر آرزو کریں گے اور بالآخر اللہ ان کو اپنے فضل و کرم سے جنت میں جگہ دے گا۔

یہ قول ابن عباسؓ، ابن مسعودؓ اور دیگر سلف کا ہے اور جمہور کی بھی یہی رائے ہے۔ مختلف احادیث سے بھی یہی ثابت ہے۔

ابن مردویہ نے بروایت جابر بن عبد اللہ بیان کیا کہ جس شخص کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں اُس کے متعلق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہی اعراف والے ہوں گے الخ

عبد الرحمٰن مزنی کی روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل اعراف وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنے باپ کی معصیت کی اور راہِ خدا میں شہید ہوئے۔ پس باپ کی نافرمانی سے تو جنت میں داخل نہ ہو سکے اور راہِ خدا میں شہید ہونا ان کو دوزخ میں داخل ہونے سے مانع ہوا۔ اعرا سعید بن منصور وابن ابی حاتم وابن مردویہ وابن جریر والبیہقی والطبرانی وابو الشیخ وعبد بن حمید وقد رواہ ابن ماجۃ مرفوعًا من حدیث ابی سعید الخدری وابن عباسؓ۔

حذیفہ سے روایت ہے اہلِ اعراف ایسے لوگ ہیں جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہیں۔ پس برائیوں نے تو جنت میں داخل ہونے سے روکا۔ اور نیکیاں دوزخ سے آڑے آئیں۔ پس دیوار (یعنی اعراف) پر ٹھیرائے گئے۔ یہاں تک کہ خدا تعالیٰ ان کے متعلق فیصلہ کرے۔ (رواہ ابن جریر)

عمرو بن جریر سے روایت ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بندوں میں سب سے آخر میں جن کے درمیان اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے گا وہ اہلِ اعراف ہیں۔ جب خدا تعالیٰ لوگوں کے فیصلہ سے فارغ ہوگا تو فرمائے گا تم ایسی قوم ہو کہ تمہاری نیکیوں نے تم کو دوزخ سے نکالا اور

toobaafoundation.com

تم جنت میں بھی داخل نہ ہوسکے۔ اب تم میری طرف سے آزاد کردہ ہو۔ پس تم جہاں چاہو جنت میں کھاتے پھرو۔

مقصودِ بیان اس بات کی صراحت کہ اہلِ اعراف دونوں فریقوں کی حالت کا مشاہدہ کریں گے۔ دخولِ جنت کے متمنی ہوں گے اور دوزخ سے پناہ مانگیں گے۔

وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا یَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِیْمٰىهُمْ قَالُوْا مَاۤ اَغْنٰى

اور اعراف والے کچھ آدمیوں کو اُن کے چہروں سے پہچان کر آواز دے کر کہیں گے (آج) تمہارا جتھا نہ تمہارے کام

عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِیْنَ اَقْسَمْتُمْ

آیا اور نہ تمہاری سرکشی کیا یہی لوگ ہیں جن کے متعلق تم قسم کھاتے تھے

لَا یَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ؕ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَیْكُمْ وَلَاۤ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ۝

کہ اللہ ان کو اپنی رحمت نہ عطا کرے گا (دیکھو اُن سے کہہ دیا گیا کہ) جنت میں داخل ہو جاؤ نہ تم کو کچھ خوف ہوگا نہ تم غمگین ہوگے

تفسیر اُدْخُلُوا الخ یا تو اہلِ اعراف کا مقولہ ہے۔ یہی قول جمہور کا ہے۔ یا تو خدا تعالیٰ کی طرف سے اہلِ اعراف کو ان الفاظ میں خطاب ہوگا۔ یہ بعض مفسرین کا قول ہے۔

جمہور کے نزدیک آیت کا مطلب یہ ہے کہ اہلِ اعراف جن لوگوں کو دنیا میں پہچانتے تھے جب اُن کو دوزخ میں دیکھیں گے تو علامات اور چہرہ کی حالت دیکھ کر شناخت کر لیں گے اور با آوازِ بلند بطورِ سرزنش و ملامت ہر ایک کا نام مع ولدیت لے کر (ہکذا قال ثعلبی) کہیں گے کہ اے فلاں بن فلاں آج وہ مال و زر جس کے لئے تم دین کو برباد کرتے تھے اور وہ تمہارا جتھا جمعیت اعوان و مددگار نوکر چاکر اور لاؤ لشکر جس پر تم گھمنڈ کرتے تھے کچھ بھی کام نہ آیا۔ عذابِ خداوندی سے تم کو بالکل نہ بچا سکا۔ پھر جنت کی طرف نظر اُٹھا کر اُس میں اُن کمزور غریب مسلمانوں کو دیکھیں گے جن کو کافر ذلیل حقیر سمجھتے تھے اور اُن مسلمانوں کی طرف اشارہ کر کے اُن دوزخی کافروں کو سرزنش کرتے ہوئے کہیں گے۔ کیا یہی وہ لوگ ہیں جن کے متعلق تم قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ آخرت میں اللہ کی رحمت اُن کے شاملِ حال نہ ہوگی۔ لو دیکھو انہی حقیر مسلمانوں سے کہہ دیا گیا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ اب نہ گزشتہ کا تم کو افسوس ہوگا نہ آئندہ کا غم۔

ثانی تقدیر پر آیات کا آخر ٹکڑا یعنی اُدْخُلُوا الخ کا مطلب یہ ہوگا کہ جب دوزخ میں دوزخی اور جنت میں جنتی جا چکیں گے اور اعراف والے دوزخیوں اور جنتیوں کے حال کا مشاہدہ کرنے کے بعد اہلِ جہنم کو سرزنش اور اہلِ جنت کو مبارکباد دے چکیں گے تو اس وقت اہلِ اعراف سے کہا جائے گا کہ اب تم بھی جنت میں چلے جاؤ۔ اب تم کو بھی دیگر اہلِ بہشت کی طرح افسوس و غم نہ ہوگا۔

مقصودِ بیان اس بات کی طرف اشارہ کہ قیامت کے دن مال و دولت جمعیت و شوکت اولاد و اعوان کچھ کام نہ آئے گا۔ ان پر غرور کرنا بے جا ہے۔

اس امر کی طرف ایماء کہ جو مسلمان دنیا میں افلاس، ضعفِ اعضاء، اور پستی نسب کی وجہ سے کمزور نظر آتے ہیں اور لوگ اُن کو حقیر و ذلیل سمجھتے ہیں اور نگاہ میں نہیں جچتے قیامت کے دن وہی سربلند اور معزز ہوں گے۔ وغیرہ

toobaafoundation.com

وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا

اور دوزخی | جنتیوں کو | پکار کر | کہیں گے | کہ کچھ پانی | یا وہ رزق جو اللہ نے تم کو کھانے کو دیا ہے ہم پر ڈال دو

رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا

طرف بھی ڈال دو | وہ کہیں گے | اللہ نے | یہ کھانا پانی | اُن کافروں پر حرام کر دیا ہے | جنھوں نے | اپنے دین کو

دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا

کھیل کود | بنا رکھا تھا | اور دنیوی | زندگانی نے اُن کو فریب میں رکھا تھا (اور فرمائے گا) آج ہم اُن کو ایسا ہی بھلا دیں

نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ

جیسے وہ اس دن کے آنے کو بھولے ہوئے تھے | اور ہماری | آیتوں کا | انکار کرتے تھے

تفسیر شروع میں بیان کیا گیا تھا کہ اہلِ جنت اہلِ نار کو پکار کر کہیں گے کہ کیا تم کو وعیدِ الٰہی برحق ثابت ہو گئی؟ اس کے بعد بیان کیا گیا تھا کہ اہلِ اعراف دوزخیوں کو سرزنش و ملامت کریں گے۔ اب ایک شق رہ گئی تھی یعنی دوزخیوں کا خطاب اہلِ جنت سے۔ اُس کو اس آیت میں بیان کیا اور دوزخیوں کی ذلت و رسوائی کی جو حالت ہوگی اس کو ظاہر فرما دیا۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:-

وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ دوزخی جنتیوں کو پکار کر کہیں گے اور عاجزی کے ساتھ بھیک مانگیں گے کہ کچھ پانی یا وہ کھانا جو اللہ نے تم کو نصیب کیا ہے اُس میں سے کچھ ہم کو بھی دے دو۔

اِفاضہ کے معنی ہیں بہانا۔ یہاں مراد ہے دینا۔ اور مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ سے پانی کے سوا کھانا مراد ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید کا بھی یہی قول ہے۔ سعید بن جبیر نے تفسیری مطلب یہ بیان کیا ہے کہ دوزخی آدمی دوزخ سے جنتی کو اپنے حقیقی بھائی یا باپ یا کسی اور رشتہ دار یا دوست سے پکار کر کہے گا کہ ذرا سا پانی ہماری طرف بھی بہا دو۔

قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا۔ اہلِ جنت جواب دیں گے۔ ہم تو کچھ نہیں دے سکتے۔ اللہ نے کافروں کو کھانا پانی دینے سے منع فرما دیا ہے۔ یعنی جنت کے آب و طعام سے کافروں کو محروم کر دیا ہے۔ (ابن عباس سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا افضل الصدقہ پانی دینا ہے۔ پھر اسی آیت کریمہ کی طرف اشارہ فرمایا) کیونکہ دنیا میں یہ بڑے خبیث تھے۔ دنیوی زندگانی پر ریجھے ہوئے تھے۔ فانی راحت و آرام اور عیش و آسائش نے ان کو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور آخرت کا سر و سامان کرنے سے غافل بنا رکھا تھا اور انھوں نے اپنے دین کو کھیل کود کر رکھا تھا۔ جس بات میں مشغول ہونا چاہیے تھا اس میں مشغول رہتے اور جس بات سے تمتع اٹھانا مناسب نہ تھی اس سے مسرت اندوز ہوتے تھے (کذا فی السراج)

یا دین کو لہو و لعب بنانے کا یہ مطلب ہے کہ جو پیغمبر یا نیک آدمی ان کو اپنے دین کی طرف بلاتے اُس کا یہ مذاق اڑاتے اور اُس کو حقیر و ذلیل سمجھ کر کہتے کہ کیا یہی لوگ جنت کی نعمتوں سے سرفراز ہوں گے۔

یا دین کو لہو و لعب قرار دینے سے کافروں کے عقائد باطلہ اور رسوم جاہلانہ کی طرف اشارہ ہے۔

فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ۝ چونکہ فراموشی اور نسیان سے خدا تعالیٰ پاک ہے

toobaafoundation.com

اس لئے آیت کا تفسیری مطلب مفسرین نے مختلف طور پر بیان کیا ہے اور ہر ایک نے الگ توجیہ کی ہے۔ عوفی نے بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کیا کہ اللہ نے گویا بھلائی سے اُن کو فراموش کر دیا اور تکلیف و عذاب سے فراموش نہیں کیا۔

علی بن طلحہ نے بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہ نسیان کے معنی ترک لکھے ہیں۔ مجاہد کے نزدیک نسیان کے معنی ہیں الگ یں چھوڑ دینے کے۔ سدی کے قول کے بموجب رحمت سے الگ رکھنا مراد ہے یعنی خدا اُن کو قیامت کے دن اپنی رحمت سے جُدا اور ترک رکھے گا جس طرح انھوں نے قیامت کے لئے کارِ خیر کرنے کو ترک کر رکھا تھا۔ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز بعض لوگوں سے فرمائے گا کہ کیا میں نے تجھے بیوی نہیں دی تھی؟ کیا میں نے تجھے عزت نہیں عطا کی تھی؟ کیا میں نے گھوڑے اور اونٹ تیرے زیر فرمان نہیں کر دیئے تھے؟ کیا میں نے تجھے سیر ہو کر کھانے پینے کے لئے نہیں چھوڑ دیا تھا؟ بندہ عرض کرے گا پروردگار! بے شک یہ سب باتیں تھیں۔ خدا تعالیٰ فرمائے گا کیا تجھے مجھ سے ملنے کا یقین تھا؟ بندہ عرض کرے گا نہیں۔ خدا تعالیٰ فرمائے گا۔ لہٰذا آج ہم بھی تجھے فراموش کر دیں گے۔ جیسے تو ہم کو بھولا تھا۔

آیت کا خلاصہ مطلب یہ نکلا کہ جس طرح روز قیامت کو وہ لوگ بھول گئے تھے کوئی عمل خیر نہ کرتے تھے اور قیامت کے لئے انھوں نے کوئی تیاری نہ کی تھی اور ہمارے احکام کا انکار کرتے تھے۔ اسی طرح ہم بھی قیامت کے دن بھولا ہوا دوزخ میں چھوڑ دیں گے اور جس طرح بھولنے والا بھولے ہوئے کی مدد نہیں کرتا۔ اسی طرح ہم بھی ان کی کوئی دستگیری نہیں کریں گے اور نہ ان کی فریاد سنیں گے۔

مقصودِ بیان دوزخ بہ نسبت جنت کے پست ہے۔ کافر جنت میں کبھی داخل نہ ہوں گے۔ جنت کی ہر نعمت سے کافر محروم ہیں۔ آیت میں دنیوی زندگی پر ریجھنے کی ممانعت ضمنی ہے اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ دین نام لہو و لعب کا نہیں۔ جن لوگوں کے دین کی بنیاد لہو و لعب اور سیر و تفریح پر ہے اُن کا دین، اللہ کا قائم کردہ دین نہیں بلکہ فریبِ نفس ہے۔ آیت میں ضمنی طور پر قیامت کے لئے بے سروسامان ترک کرنے والوں کو تہدید اور آخرت کی تیاری کی ترغیب۔

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝

ہم اُن کے پاس ایسی کتاب لا چکے جس کو ہم نے اپنے علم سے تفصیل وار بیان کر دیا وہ کتاب ایمانداروں کے لئے ہدایت و رحمت ہے

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ۭ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ

کیا یہ لوگ بس قیامت کی حقیقت ظاہر ہونے کے منتظر ہیں جس روز قیامت کی حقیقت ظاہر ہو جائیگی تو جو لوگ پہلے سے اس کو بھولے ہوئے تھے

قَبْلُ قَدْ جَاۗءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَاۗءَ فَيَشْفَعُوْا

وہ کہیں گے واقعی ہمارے رب کے پیغمبر سچی بات لائے تھے پس اب کیا ہمارے کوئی سفارشی ہیں جو ہماری سفارش کریں

لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۭ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَ

یا ہم کو واپس کر دیا جائے تاکہ جو عمل ہم کرتے تھے اس کے خلاف کریں بیشک ان لوگوں نے اپنا نقصان خود کیا اور

ع ۶ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝

۱۳ جو افترا پردازی یہ کیا کرتے تھے وہ اُن سے گئی گذری ہوئی

toobaafoundation.com

تفسیر کتٰب سے مراد یا تو عام کتاب ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے ہر قوم کی ہدایت کے لئے احکام نازل فرمائے ہیں خواہ بصورت صحیفہ یا بشکل کتاب۔ یا یہ آیت اہلِ مکہ کے حق میں نازل ہوئی اگرچہ مراد عام لوگ ہیں اور کتاب سے مراد خاص قرآن ہے۔ یہی شق اس کیلئے اختیار کی گئی۔

جب خدا تعالیٰ دوزخیوں اور جنتیوں کے احوال، اہلِ اعراف کے مقامات وکلمات بیان فرما چکا جس کو سن کر عذاب کا خوف اور ثواب کی طمع سعید دل رکھنے والوں کے دلوں میں پیدا ہوئی اور وہ حصولِ نجات کے طریقوں کے متجسس اور اُس طرزِ زندگی کے جویاں ہوئے جن پر چل کر فلاحِ اخروی اُن کو حاصل ہوجائے تو اب فلاحِ اُخروی کے حصول کا راستہ بتاتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:-

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ ہم نے تبلیغ ایمان و دعوتِ عمل دینے کے لئے قرآن نازل کردیا اور قرآن میں تمام عقائد، احکام، وعظ ونصیحت وعدہ و وعید وغیرہ کھول کر بیان کردیئے۔ حق و باطل کی واضح تمیز کردی اور یہ سب کچھ ہم نے اپنے علم و دانست کے مطابق کیا۔ کسی کو اس کی صداقت میں شک ہو تو ہو۔ یا کوئی اس کو ہمارا فعل اضطراری سمجھے تو سمجھے ہم نے اس کو دانستہ اپنے علم کے، بوجب نازل کیا۔ جو ضوابط و احکام، قوانین وقواعد، اخبار و واقعات، بشارت و انذار، امثال و قصص ہمارے علم میں صادق اور صحیح اور مناسب تھے اُن کو کھول کر بیان کردیا۔ نہ یہ ہمارا اضطراری فعل ہے، نہ قابلِ شک۔ حقیقت یہ کہ جن کے دلوں میں نورِ فطرت ہے اور جو طبیعتِ ایمانیہ رکھتے ہیں اُن کے لئے یہ قرآن عین ہدایت اور مجسم رحمت ہے۔ لہٰذا اہلِ مکہ اور دیگر کل منکرین کو اس پر ایمان لانا اور اس کو سچ جاننا اور اس پر عمل کرنا چاہیئے۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ لیکن یہ کفار اس طرح نہ مانیں گے۔ قرآن کے وعدہ و وعید کو سچ نہ جانیں گے۔ یہ تو وعدہ وعید کے آخری نتیجہ کے واقع ہوجانے کے منتظر ہیں کہ جب قیامت ہوجائے اور قرآن کے اندر جو وعدے اور وعید بیان کئے گئے ہیں وہ واقع ہوجائیں اور غیب سے شہود کا درجہ حاصل ہوجائے تو ایمان لائیں۔

ربیع بن انس کہتے ہیں کہ اس کتاب کی تاویل برابر آتی رہے گی یہاں تک کہ جنت والے جنت میں اور دوزخ والے دوزخ میں داخل ہوجائیں۔ پس اس دن تاویل پوری ہوجائے گی۔

يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ حالانکہ جس روز اس کے وعدہ اور وعید کی تکمیل اور نتیجۂ اخروی ظاہر ہوجائے گا تو کوئی پشیمانی سود مند نہ ہوگی۔ جن لوگوں نے پہلے سے اُس کو نہ مانا تھا اس پر عمل نہ کیا تھا اور طاقِ نسیان پر رکھ دیا تھا اس وقت وہ قائل ہوں گے کہ اللہ کے پیغمبروں نے جو کچھ احکام ہدایت و اخبار قیامت بیان کئے تھے وہ سب برحق تھے۔ بڑی غلطی ہوئی کہ ہم نے ان کو نہ مانا اور نہ اُن پر عمل کیا۔ حقیقت کا مشاہدہ کرنے کے بعد ان کو نجات و رہائی کی فکر ہوگی اور تو کوئی صورت نظر نہ آئے گی۔

فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ بس یہ تمنا کریں گے کہ کاش آج ہماری کوئی سفارش ہی کردیتا کہ اس عذاب سے رہائی تو مل جاتی یا ہم کو دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جاتا کہ وہاں پہنچ کر اب کی مرتبہ ہم اول مرتبہ کے خلاف عمل کرلیتے۔

قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ لیکن اُس روز یہ تمنا فضول ہوگی۔ اپنے ہاتھوں وہ نقصان کرچکے اور خود اپنے کو ہلاکت میں ڈالا۔ جو کچھ دنیا میں وہ اللہ پر افترا بندی کرتے تھے۔ اللہ کی الوہیت و ربوبیت میں جن کو شریک کرتے تھے اور جن باتوں کا جھوٹا دعویٰ کرتے تھے وہ سب کچھ کھویا گیا ہوگا اور کسی طرح اصلاح حالت ممکن نہ ہوگی۔

مقصود بیان قرآن پاک میں تمام ضروری احکام وعقائد بیان کردیئے گئے ہیں۔ خدا عالم ہے اور اپنے علم کے مطابق اس نے مخلوق کی ہدایت کا سامان مہیا کیا ہے۔

کلام الٰہی نہ خدا کا اضطراری فعل ہے۔ نہ خدا نے نادانی وجہالت کی حالت میں اس کو نازل فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ جزئیات سے بلا واسطہ انکشاف

toobaafoundation.com

جن لوگوں کے دلوں میں نورِ فطرت اور جذبۂ ایمانی ہے اُن کے لئے قرآن پاک سراسر ہدایت اور مجسم رحمت ہے۔
مشاہدۂ عذاب کے بعد کسی کا ایمان لانا مقبول نہیں۔ نہ قابلِ اعتبار ہے۔ دنیا میں دوبارہ آنا غیر ممکن ہے۔ کافروں کا کوئی سفارشی اور شفیع نہ ہوگا۔

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ

(لوگو) تمہارا رب وہی اللہ ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ روز کے (دور) میں پیدا کیا پھر

اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا وَالشَّمْسَ

وہ عرش پر جلوہ فرما ہوا وہ رات سے دن کو ڈھانک دیتا ہے (گویا) رات دن کے پیچھے جلدی جلدی آتی ہے اور سورج

وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ ۗ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ ۗ تَبَارَكَ اللَّهُ

چاند ستارے سب اُسی نے بنائے سب اسی کے مطیع حکم ہیں آگاہ رہو (عالم) خلق و امر سب اسی کا ہے اللہ رب العلمین

رَبُّ الْعَالَمِينَ ○

بزرگ ہے

تفسیر إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ۔ پہلے ہم اِس آیت کا خلاصہ مطلب بیان کرتے ہیں۔ پھر اِس پر جو شبہات ہیں اُن کو نقل کر کے اُن کا ازالہ بھی کریں گے۔

اِس آیت سے مستفاد ہوتا ہے کہ آسمان و زمین یعنی کل عالم کو چھ دن کی مقدار اوقات میں پیدا کیا۔ پھر خلق عالم کے بعد اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہوگیا۔

عام طور پر دن کہتے ہیں طلوع و غروب کے درمیانی وقت کو۔ یہ یوم دنیا کہلاتا ہے۔ دوسرا یوم آخرت ہے جس کی مقدار ہزار برس یا پچاس ہزار برس قرآن میں بتائی گئی ہے۔

ضحاک نے جو روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی بیان کی ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت میں ایام آخرت کی مقدار مراد ہے۔ امام احمد حنبل اور بعض دوسرے اشخاص کا بھی یہی قول ہے۔ لیکن جمہور کے نزدیک ایام دنیا مراد ہیں اور یہی صحیح بھی ہے۔

ایام دنیا مراد لینے کے بعد بھی اختلاف ہے کہ وہ کون سے ایام ہیں جن میں تخلیقِ عالم کی گئی۔

بعض کا خیال ہے کہ اتوار سے لے کر جمعہ تک تمام عالم پیدا ہوا۔ جمعہ کے روز سب خلقت کا اجتماع ہوا اور اسی روز آدم کی تخلیق ہوئی۔ رہا ساتواں روز یعنی سنیچر اس میں کوئی چیز نہیں پیدا کی گئی۔ غالباً یہی قول عبداللہ بن سلام، کعب احبار اور مجاہد و ضحاک کا ہے۔ شیخ ابن جریر نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ابتدائے خلقت، شنبہ کے دن سے ہوئی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ نے زمین کو سنیچر کے دن پیدا کیا اور پہاڑ اتوار کے روز قائم کئے اور درخت پیر کے روز اور تمام مکروہات منگل کے دن اور نور بدھ کے دن اور تمام جانور مویشی جمعرات کے دن اور آدم کو جمعہ کے آخر دن میں پیدا کیا۔

لیکن اس حدیث میں علمائے حدیث نے کلام کیا ہے۔ اگرچہ اس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے لیکن بخاری وغیرہ کے نزدیک یہ حدیث ضعیف ہے۔

toobaafoundation.com

اس آیت کے مفہوم پر چند شبہات کئے جاتے ہیں:۔

(۱) دن اور رات کی تعیین سورج کے طلوع و غروب سے ہوتی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ تخلیقِ عالم سے قبل نہ سورج تھا نہ اس کا طلوع نہ غروب پھر ان اور دن کی تقسیم سنیچر، اتوار، پیر، منگل، بدھ، جمعرات، جمعہ اور ان ایام میں تخلیقِ عالم کرنے کے کیا معنی؟ (یہ اعتراض سلیمان جمل وغیرہ کا ہے)

(۲) اللہ قادر مختار ہے۔ اس کا فعل کسی حالت منتظرہ کا محتاج نہیں۔ نہ اس کی قدرت اوقات و زمانہ کی محتاج ہے۔ ادھر اس کی مشیت ہوئی اُدھر وہ چیز موجود ہوگئی۔ پھر چھ یا سات یا پانچ دن کی مدّت تخلیقِ عالم کی قرار دینا کیا معنی رکھتا ہے؟ اور اس تخلیقِ تدریجی کی کیا حقیقت ہے؟

(۳) اللہ جسم اور کوائفِ جسم اور خواصِ جسم سب سے پاک ہے۔ نہ وہاں حرکت ہے نہ سکون، نہ راحت نہ تکلیف۔ پھر خدا تعالیٰ عرش پر بیٹھے، ٹھہرے، استقرار کرے، جم جائے، یہ تمام الفاظ اس کی شان کے منافی ہیں۔

(۴) کلامِ عربی میں ثُمَّ کا لفظ ترتیب فعلی کے لئے مستعمل ہے۔ اس وقت لازم آتا ہے کہ عرش پر متمکن و مستقر ہونے سے پہلے اللہ کہیں کھڑا یا بیٹھا یا لیٹا تھا لیکن وہ کونسی جگہ تھی جہاں خدا کا قیام و قعود وغیرہ تھا؟۔

اسی قسم کے دیگر شبہات بھی پیدا ہوتے ہیں۔ ہم ترتیب وار ہر شبہ کا جواب دیتے ہیں:۔

(۱) یہ واقعہ ہے کہ پیدائشِ عالم سے قبل کوئی دن نہ تھا۔ نہ سورج، چاند اور ستارے تھے۔ نہ آسمان زمین پانی اور ہوا موجود تھی۔ نہ آیت کا یہ مفہوم ہے کہ خدا نے چھ روز کی مدت میں عالم کو پیدا کیا بلکہ مراد یہ ہے کہ اگر تخلیقِ عالم سے قبل تقدیر اوقات ہوسکتی تو تخلیقِ عالم کا وقت اتنا ہوتا جتنا چھ روز کا ہوتا ہے یعنی اس مقدار اور دوران میں اللہ تعالیٰ نے عالم کو پیدا کیا۔ چھ روز یا چھ روز کا زمانہ نہیں ہے۔

(۲) فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ سے یہ مراد نہیں کہ عالم کو چھ دن کی پوری مقدار میں پیدا کیا بلکہ یہ ایک محاورہ کا لفظ ہے جس طرح اُردو زبان میں بولا جاتا ہے کہ زید نے فلاں کام اتوار، پیر، منگل کے دن کیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ تین دن برابر زید کام کرتا رہا۔ بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ ان تین دن کے مختلف اوقات میں یہ کام کیا۔ اسی طرح فی ستۃ ایام کا یہاں مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف اوقات یا دفعات میں عالم کے مختلف حصّے اور مختلف انوار کو پیدا کیا۔ کسی دفعہ زمین کو کسی مرتبہ آسمان کو کسی مرتبہ کسی کو۔

اب رہا یہ سوال کہ اللہ کا فعل کسی حالتِ منتظرہ کا محتاج نہیں۔ نہ اس کی قدرت اوقات و زمانہ کی محتاج ہے بلکہ جونہی اس کی مشیت ہوئی فوراً چیز موجود ہوگئی۔ تو اس کی حکمت یہ ہے کہ مخلوق غور کرے کہ اللہ نے باوجود قادر مختار ہونے کے مخلوق کو تدریجاً پیدا کیا۔ لہٰذا لوگوں کو بھی کل کام تدریجاً کرنا چاہیئے۔ نیز اُن جاہل فلاسفہ کے خیال کا بھی رد ہوگیا جو قائل ہیں کہ تمام مخلوق اللہ تعالیٰ سے دفعتاً خود بخود بغیر ارادہ و تدریج کے صادر ہوگئی۔

(۳، ۴) مؤخر الذکر دونوں شبہات اور اسی قسم کے دیگر اعتراضات سے فرقہ کرامیہ وغیرہ کے اُن ضعیف معتقدات کی بیخ و بُن اُکھڑ جاتی ہے، جو قائل ہیں کہ اس قسم کے الفاظ کا اطلاق باری تعالیٰ پر حقیقی ہے۔ اس فرقہ کے اعتقاد کو اگر تسلیم کر لیا جائے تو از روئے آیاتِ قرآنی و احادیث نبوی اللہ کے لئے جسم، خواصِ جسم، حلول فی العالم اور بہت سے دیگر مادی احوال تسلیم کرنے پڑیں گے۔

بات درحقیقت یہ ہے کہ آیت کے حقیقی معنی مراد نہیں بلکہ مجازی مراد ہیں۔ صاف معنی یہ ہیں کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ پھر تمام کائنات کی تدبیر و تصرف کی طرف متوجہ ہوا۔ یعنی تختِ عزت و جلال پر متمکن ہوا۔ (امام رازی)

ابو عبیدہ نے استواء کے معنی ارتفاع و علو کے بیان کئے ہیں۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ تخلیقِ عالم کے بعد اللہ تعالیٰ نے کل کائنات کی ملکیت و حکومت اپنے قبضہ میں رکھی۔

نیز استواء کے معنی استیلاء کے بھی آتے ہیں۔ جبکہ استواء کے بعد لفظ علیٰ استعمال کیا گیا ہو (جس طرح یہاں استعمال کیا گیا ہے) گویا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستولی اور غالب ہوگیا۔ اس کے علاوہ دیگر مجازی معانی بھی بیان کئے گئے ہیں جن کو ہم بخوفِ طوالت ترک کرتے ہیں۔

يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ۙ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۢ بِاَمْرِهٖ ۭ ... تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ۝

اوپر اس سے بیان کیا تھا کہ تخلیقِ عالم کے بعد اللہ تعالیٰ کائنات کے انتظام و تصرف کی طرف متوجہ ہوا۔ اب اسی کی وضاحت فرماتا ہے کہ وہ رات کو دن سے

toobaafoundation.com

بدلا ہے۔ رات کے پیچھے دن اور دن کے پیچھے رات دوڑتی چلی آتی ہے۔ آفتاب و ماہتاب اور ستارے سب اس کے حکم کے تابع ہیں۔ ہر ایک ایک خاص خدمت پر مامور ہے جس سے وہ سرتابی نہیں کر سکتا۔ اسی میں تمام عالم کا انتظام سربستہ ہے۔ ہر چیز ہر حالت میں اللہ کی قدرت و ارادہ کے تابع ہے۔ خود کچھ تاثیر پیدا کر سکتی ہے نہ قبول کر سکتی ہے۔

رہا خدا کا خالق و آمر ہونا جس کو آیات کے آخری فقرہ میں بیان کیا ہے تو اس کی تحقیق و توضیح یہ ہے کہ عالم وجود کی دو قسمیں ہیں ایک جسمانیات و مرئیات خواہ علویات ہوں یا سفلیات، افلاک و کواکب ہوں یا عناصر یا عناصر کے مرکبات۔ بہرحال یہ سب عالم خلق کہلاتا ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جو جسمانی و مرئی نہیں بلکہ روحانی ہے جیسے ملائکہ ارواح نفوس اور ان سب کا انتظام و تصرف۔ اس کو عالم تصرف کہتے ہیں۔

چونکہ اس سے اوپر شب و روز اور چاند سورج وغیرہ کا پیدا کرنا بیان کیا تھا لیکن چند لفظوں میں کل کائنات کا تفصیلی حصر کرنا غیر ممکن تھا اس لئے فرمادیا کہ اللہ ہی عالم خلق و عالم امر کا مالک متصرف ہے۔ اسی کے قبضہ میں کل انتظامات و انتقالات ہیں۔

مقصودِ بیان انسانوں کو تدریجی کام کرنے کی ترغیب۔ صاحب بیضاوی نے اس آیت کی حقیقی فقاہت ان لفظوں میں بیان کی ہے کافروں نے جو اپنی جہالت سے عالم کی مختلف چیزوں کو اپنا معبود بنا لیا تھا اُن کی تردید کر دی اور ظاہر کر دیا کہ اللہ فقط ایک ہے اُس کا کوئی شریک نہیں، نہ اُس کے سوا کوئی معبود ہے۔ وہی خالق و آمر ہے۔ اُسی نے آسمانوں کو پیدا کیا اور آسمانوں کی پُر قدرت چیزیں اُسی کی حکمت پر دلالت کرتی ہیں۔ پھر اجسام سفلی کو بھی رنگ برنگ اُسی نے بنایا۔ پھر ان اجرام و اجسام کی جملہ تدابیر اُسی کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ کسی کو ذرہ برابر اُس کے حکم سے تجاوز کرنے کا اختیار نہیں۔ اس خلق و امر میں وہی قادر مختار ہے۔ نہ مجبور ہے نہ مضطر۔ تبارک اللہ رب العالمین۔

ادۡعُوۡا رَبَّكُمۡ تَضَرُّعًا وَّخُفۡيَةً ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الۡمُعۡتَدِيۡنَ ۚ وَلَا

(لوگو) اپنے رب کو عاجزی سے اور چپکے چپکے پکارو وہ حد سے بڑھ جانے والوں کو دوست نہیں رکھتا زمین

تُفۡسِدُوۡا فِى الۡاَرۡضِ بَعۡدَ اِصۡلَاحِهَا وَادۡعُوۡهُ خَوۡفًا وَّطَمَعًا ؕ اِنَّ

میں امن و عافیت کے بعد تباہی نہ پھیلاؤ اور بیم و اُمید کے ساتھ اللہ سے دعا کرو بلاشبہ

رَحۡمَتَ اللّٰهِ قَرِيۡبٌ مِّنَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ○

نیکی کرنے والوں سے اللہ کی مہربانی قریب ہے

تفسیر اوپر کی آیت میں بیان کیا تھا کہ اللہ عالم امر و عالم خلق کا مالک اور متصرف ہے۔ تمام اجرام سماویہ و اجسام ارضیہ اُسی نے بنائے۔ وہ پاک پروردگار رب العالمین ہے۔ اس بیان کے بعد بتانا چاہتا ہے کہ جب وہ رب العالمین اور خلاق مطلق ہے تو کل کائنات اُس کے سامنے ہیچ اور ذلیل ہے اور وہی سب کا کارساز ہے۔ لہٰذا

اُدۡعُوۡا رَبَّكُمۡ تَضَرُّعًا وَّخُفۡيَةً ۔ اُسی کے سامنے گڑگڑا کر نہایت عاجزی اور لجاجت کے ساتھ پوشیدہ طور پر بغیر ریا اور دکھاوٹ کے دست سوال دراز کرو۔ اُس سے دُعا کرو۔ لیکن حدِ اعتدال سے تجاوز نہ کرو۔

اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الۡمُعۡتَدِيۡنَ ۔ کیونکہ اعتدال سے بڑھنے والوں کو اللہ پسند نہیں فرماتا۔ خلاصہ یہ کہ پہلی آیت میں تین باتوں کا حکم دیا۔ دعا میں تضرع کرو، دعا خفیہ کرو، دعا میں حدِ اعتدال سے تجاوز نہ کرو۔

تفسیر سراج میں ہے کہ آیت میں دعا سے مراد سوال ہے اور یہ عبادت کی ایک قسم ہے۔ ابن جریر کا قول ہے کہ آیت میں تضرع و استکانت کا حکم دیا

toobaafoundation.com

جس سے ثابت ہوتا ہے کہ دعا میں آواز بلند کرنا اور چیخنا پکارنا مکروہ تحریمی ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سِرّ سے مراد خفیہ دل میں دعا کرنا ہے۔ صحیحین میں بروایت ابوموسیٰ اشعری رضی بیان کیا گیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لوگو! اپنی جانوں پر نرمی کرو۔ تم کسی گراں گوش اور غائب کو نہیں پکارتے ہو بلکہ پاک پروردگار کو پکارتے ہو جو سنتا اور دیکھتا ہے وہ تمہارے ساتھ ہے۔

ابن جریر کہتے ہیں کہ خفیہ دعا کرنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ کی وحدانیت و ربوبیت پر یقین کر کے اپنے دل میں چپکے چپکے بغیر جہر کے دلی خشوع کے ساتھ دعا کرو۔

حسن بصری فرماتے تھے پہلے زمانہ میں بعض لوگ پورے قرآن کے حافظ ہوتے تھے اور لوگوں کو اس بات کا پتہ بھی نہ ہوتا تھا بعض لوگ بڑے فقیہ ہوتے تھے اور لوگوں کو اس کا علم بھی نہ ہوتا تھا۔ بعض لوگ اپنے گھروں میں لمبی لمبی نمازیں پڑھتے اور اُن کے گھر رہنے والے مہمانوں کو اس کا شعور بھی نہ ہوتا۔ لیکن اب ایسے لوگ ہیں کہ روئے زمین پر کوئی کام چھپا کر نہیں کر سکتے۔ حالانکہ پوشیدہ و علانیہ دعا میں ستر گُنا فرق ہے۔ پہلے مسلمان لوگ نہایت زاری سے دعا کرتے تھے مگر ان کی آواز سنائی نہ دیتی تھی کیونکہ خدا تعالیٰ نے فرمادیا ہے۔ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ط

اب رہی تیسری شق یعنی دعا میں حدِ اعتدال سے تجاوز نہ کرنا تو اس کے معنی صاحب بیضاوی نے اس طرح بیان کئے ہیں کہ دعا کرنے والے کے مرتبہ کے جو چیز لائق نہیں اُس کو نہ مانگے۔ مثلاً نبی ہو جانا، آسمان پر چڑھ جانا وغیرہ۔ شیخ ابو مجاز نے بھی یہی تفسیر کی ہے۔

بعض لوگوں کا قول ہے کہ آیت میں مراد یہ ہے کہ بڑی لمبی چوڑی دعائیں نہ مانگے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے نے ایک مرتبہ دُعا مانگی کہ اے اللہ! میں تجھ سے جنّت اور اس کی نعمتیں اور استبرق مانگتا ہوں اور تجھ سے دوزخ اور اس کے طوق اور زنجیروں سے پناہ مانگتا ہوں۔ حضرت سعدؓ نے یہ دُعا سُن کر فرمایا۔ بیٹے تونے اللہ سے بہت بھلائی مانگی اور بہت بُرائی سے پناہ چاہی۔ مگر میں نے خود سُنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ عنقریب ایسی قوم ہوگی جو دعا کرنے میں حد سے تجاوز کرے گی۔ تجھے فقط اس قدر کہنا کافی ہے کہ پروردگار! میں تجھ سے جنت اور ہر اُس قول و عمل کو چاہتا ہوں جو جنت سے قریب کردے اور تجھ سے دوزخ اور ہر اُس قول و عمل سے پناہ مانگتا ہوں جو دوزخ سے قریب کردے (رواہ احمد و ابو داؤد) عبداللہ بن مغفل کے بیٹے کا بھی اسی قسم کا واقعہ احمد و ابن ماجہ وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

اس کے بعد خدا تعالیٰ دوسری آیت میں دو حکم دیتا ہے۔ اول یہ کہ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا زمین میں فساد نہ کرو۔ دوسرا یہ کہ وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ط اللہ سے بیم و رجا کی حالت میں دعا کرو۔

پہلی شق کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے رسول بھیج دیئے، احکام و فرامین نازل کر دیئے، زمین کی اصلاح ہوگئی تو اب اپنے شرک اور گناہوں سے تباہی نہ پھیلاؤ۔

دوسرے ٹکڑے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے عذاب سے ڈرو اور رحمت کی اُمید رکھو۔ بعض نے خوف، مرہوب اور طمع مرغوب اس سے مراد لی ہے۔ ابن جریج نے کہا کہ خوف عدل و طمع فضل مقصود ہے۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ آدمی پر زندگی بھر خوف غالب رہنا چاہیئے۔ پھر جب موت کا وقت آجائے تو امید غالب ہونا چاہیئے کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم میں سے ہر شخص کو ایسی حالت میں رہنا چاہیئے کہ اس کو اللہ تعالیٰ سے اچھی امید ہو۔

اس کے بعد آیت کے آخری ٹکڑے میں فرمایا:- اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ہ اللہ کی رحمت نیکوکاروں کے قریب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ فقط دعا کرنا یا عذابِ الٰہی سے ڈرنا یا جنت کی طمع رکھنا بغیر عمل کے کچھ زیادہ مفید نہیں ہے بلکہ دعا اور بیم و رجا کے ساتھ نیکوکاری بھی ضروری ہے۔ اللہ کی رحمت اگرچہ کُل عالم کو اپنے اندر سمائے ہوئے ہے لیکن اس کا قرب نیک بندوں سے ہے ہو سکتا ہے کہ بدوں کو بھی خدا بخش دے مگر نیکوں کو رحمتِ الٰہی ضرور ڈھانک لے گی۔

مقصودِ بیان دعا کرنے کا وجوبی حکم۔ دعا میں زاری عاجزی و خشوع کرنے کا امر اور پوشیدہ دعا کرنے کی صراحت۔ دکھلاوٹ اور ریاکاری کی

toobaafoundation.com

عبادت و دعا میں ممانعت کی طرف ضمنی اشارہ ۔ اپنے مرتبہ سے زائد اور استعداد سے بڑھ کر چیز مانگنے کی ممانعت ۔ لمبی چوڑی تفصیل دعا کرنے سے بازداشت ۔ زمین پر تباہی پھیلانے اور ترک دمعاصی کرنے پر تنبیہ ۔ اپنی عبادت پر فریفتہ ہو کر جنت حاصل ہو جانے کا یقین کرنے یا رحمتِ الٰہی سے مایوس ہو جانے کی ممانعت کی طرف ایماء ۔ دعا میں بیم و رجا رکھنے کا حکم ۔ صرف دعا یا تخیل و اعتقاد پر اکتفا نہ کرنے کی صراحت نیکوکاری کی ترغیب ۔ اس امر کی صراحت کہ نیک لوگوں اور متقیوں کو رحمتِ الٰہی سے قرب حاصل ہوتا ہے ۔ وغیرہ ۔

وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيَاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ حَتَّىٰ إِذَا أَقَلَّتْ

وہی ہے جو اپنی رحمت (یعنی بارش) سے پہلے خوشخبری دینے کے لئے ہوائیں کو بھیجتا ہے یہاں تک کہ جب وہ بھاری

سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنَاهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَأَنزَلْنَا بِهِ الْمَاءَ فَأَخْرَجْنَا بِهِ مِن

بادلوں کو اٹھا لیتی ہیں تو کسی مردہ شہر کی طرف ہم اُن کو ہانک دیتے ہیں اور اس سے پانی برساتے ہیں پھر ہر طرح کے پھل اُس سے

كُلِّ الثَّمَرَاتِ كَذَٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝

پیدا کرتے ہیں اسی طرح ہم مُردوں کو نکالیں گے شاید تم سمجھ کو

تفسیر گذشتہ آیات میں تفصیل وار بیان کیا تھا کہ خدا قادر مطلق موجد، خالق اور مدبر و حاکم ہے ۔ کل کائنات اُس کے حکم کے تابع ہے لہٰذا مخلوق کو اسی کی طرف رجوع کرنا اور اسی سے دعا مانگنا چاہیئے ۔ اُسی سے خوف اور اُسی سے طمع رکھنی چاہیئے ۔ لیکن اجابتِ دعا کا وسیلہ نیکوکاری کو قرار دینا چاہیئے کیونکہ رحمتِ خدا نیکوکاروں کے دوش بدوش ہوتی ہے ۔ اب یہاں سے اپنی قدرت، حکمت، تخلیق اور تدبیر کی ایک واضح مثال دیتا ہے اور مثال دے کر حشرِ اجساد کو ثابت کرنا چاہتا ہے تاکہ لوگوں کی دعائیں اور بیم و رجا کے حالات صرف دنیوی خواہشات میں محدود ہو کر نہ رہ جائیں بلکہ فلاحِ اُخروی ہر وقت اُن کے پیشِ نظر رہے ۔

ارشاد ہوتا ہے :۔ وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيَاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ حَتَّىٰ إِذَا أَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنَاهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَأَنزَلْنَا بِهِ الْمَاءَ فَأَخْرَجْنَا بِهِ مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ كَذَٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝ حاصل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ عناصرِ عالم میں انقلاب کرتا رہتا ہے ۔ ایک عنصر کو بگاڑتا دوسرے کو بناتا ہے اور اس کون و فساد سے غرض کوئی مصلحت عباد ہوتی ہے ۔ مثلاً اگر کوئی ملک یا بستی یا زمین خشک بے آب و گیاہ ہو، سبزہ کی نمود نہ ہو، زمین کی زندگی فنا ہو چکی ہو، شادابی و رونق جو زمین کی زندگی کے علامات و آثار ہیں معدوم ہو چکے ہوں تو خدا تعالیٰ بارش ہونے سے قبل اُس سمت کو سرد ہوائیں بھیجتا ہے، جن سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہاں بارش ہونے والی ہے ۔ یہ ہوائیں بخارات کو اٹھا کر لاتی ہیں جو گہرے بادلوں کی شکل میں نمودار ہوتا ہے ۔ پھر اس ابر کو خشک مُردہ زمین کی طرف بھیجتا ہے اور وہاں پہنچا کر بارش کی شکل میں اُس کو برساتا ہے جس کی وجہ سے ہر قسم کے پھل پھول غلہ پیدا ہوتا ہے اور وہ زمین از سرِ نو زندہ ہو جاتی ہے ۔ گویا ہوا کو ابر کی صورت میں ظاہر کرنا پھر ابر کو پانی کی شکل میں برسانا اور پھر اس سے زمین کو زندہ کرنا اور صلاحیتِ ارضی کو پیدا کرنا یہ سب کرشمۂ صنعت اور مظاہرۂ قدرت ہے ۔ تو جو خدا تعالیٰ محسوسات میں روزانہ اس قسم کے تصرفات و انقلابات کرتا رہتا ہے، وہی مُردوں کو بھی زندہ کر دے گا ۔

نکات خدا تعالیٰ نے انسان کے حشرِ جسمانی کے لئے جو تمثیل دی اُس میں تین امور کی طرف اشارہ کیا ۔ انقلابِ عناصر، ہیئاتِ جدیدہ، انقلاب کی خاص مصلحت ۔ یہی تینوں امور انسان کے حشر کے اندر بھی پائے جاتے ہیں ۔ جزاو سزا اور حیاتِ ابدی خواہ راحت کی ہو یا تکلیف کی، بہرحال حیاتِ جدیدہ کا مقصود ہے ۔ ترکیبِ جدید انحلالِ اجزاء کے بعد ہونا ظاہری ہے ۔ رہا انقلابِ عناصر

toobaafoundation.com

تو یہ بھی ثابت ہے۔ اگر کوئی شخص مرجائے اور اُس کی خاک اُڑ کر ہوا میں مل جائے یا سمندر میں اس کے ذرات مل جائیں یا کوئی جانور اس کو کھا جائے اور انسانی گوشت پوست کسی دوسرے بدن کا جزو بن جائے بہر طور تجدید حیات ہوگی خواہ کتنے ہی انقلابات آجائیں اور کتنے ہی تغیرات و تطورات طاری ہوجائیں۔

مقصودِ بیان حشرِ اجساد کو مدلّل ثابت کرنا۔ انقلاباتِ عالم اور تغیرِ کائنات کو انسان کے لئے آئینہ عبرت اور درسِ موعظت قرار دینا۔ اس بات کی صراحت کہ حوادث و واقعاتِ عالم میں غور کرنا چاہیئے اور محسوس سے مغیب پر استدلال کرنا چاہیئے۔

اِس بات پر نص کہ زندگی نام ہے درحقیقت شادابی، رونق اور ترقی کا۔ جس چیز میں حسنِ باطنی نہیں وہ مُردہ ہے بے جان ہے۔

آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ سلسلۂ کائنات وجودِ اسباب سے مربوط ہے۔ ہر چیز کا ایک خاص سبب ہے اور ہر چیز کے وجود کی ایک خاص مصلحت ہے۔

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ ۚ وَالَّذِي خَبُثَ لَا يَخْرُجُ

اور پاکیزہ بستی کی سرسبزی اُس کے پروردگار کے حکم سے ہوتی ہے اور جو بُرا شہر ہے اُس کی پیداوار ناقص ہی

إِلَّا نَكِدًا ۚ كَذَٰلِكَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَشْكُرُونَ ﴿٥٨﴾ ع ۷ ۱۴

ہوتی ہے ہم طرح طرح سے یونہی شکرگزار لوگوں کے لئے قدرت کی نشانیاں بیان کرتے ہیں

تفسیر مجاہد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اولادِ آدم کی تمثیل اس آیت میں بیان کی ہے۔ نحاس کہتے ہیں کہ تیز فہم اور کم فہم کی مثال ہے۔ علی بن طلحہ نے بروایت ابن عباسؓ بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مومن و کافر کی حالت کی یہ مثال دی ہے۔ سراج و معالم میں ابن عباسؓ کی روایت پر اجماعِ مفسرین قرار دیا ہے۔ بہرحال مطلب تینوں کا ایک ہی ہے۔

حاصلِ تمثیل یہ ہے کہ آسمان سے پانی برستا ہے پانی کی خاصیت، کیفیت، نوعیت، طہارت، صفائی وغیرہ میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ لیکن فرق صرف قابل کا ہوتا ہے۔ جو زمین عمدہ، نرم، پاکیزہ اور شیریں ہے اُس پر جب پانی برستا ہے تو شاداب سبزہ، پھول پھل، اور بہترین ثمرات پیدا ہوتے ہیں۔ اور جو زمین شور، ریتلی اور پتھریلی ہے اس میں کچھ پیدا نہیں ہوتا۔ اگر کچھ پیدا بھی ہوا تو بیکار، ناقص، بے سود، ناقابلِ انتفاع۔ یہی حالت کافر و مسلم کی ہے۔ دلائلِ قدرت سب کے لئے یکساں ہیں۔ تبلیغِ رسل سب کے لئے برابر ہے۔ احکامِ شرع سب کے لئے مساوی ہیں۔ قرآن کے آیات و مواعظ سے فائدہ حاصل کرنے میں کسی کو کسی پر ترجیح نہیں۔ لیکن فرق ہے تو صرف طہارتِ باطن اور خبثِ اندرونی کا۔ پاکیزہ قلوب رکھنے والے نورِ ایمان کے حامل فیضانِ الٰہی اور بارشِ رحمت سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ایمان و طاعت، عبادات و قربان پذیری، خوش خلقی اور نیک سیرت کے حامل بن جاتے ہیں۔ لیکن خبیث روح رکھنے والے تیرہ باطن، سنگدل، کور دماغ، کافر قرآنی موعظت اور شرعی فیضان سے محروم رہتے ہیں۔ نہ ان کو ایمان کی طرف رغبت ہوتی ہے، نہ اطاعت و عبادت سے مسرت، نہ ان کے اعمال و افعال درست ہوتے ہیں نہ اخلاق و اطوار۔ ع

زمینِ شور سنبل بر نیارد

اگر ہزار مشقت سے کافر دنیا میں کوئی نیک کام کرتا بھی ہے کچھ صدقہ وخیرات دیتا بھی ہے تو بیکار شہرت اور غیر مفید نام و نمود کے لئے کرتا ہے نتیجہ بہرحال ناقص و نِہا ہے۔

مقصودِ بیان فیضانِ الٰہی اور موعظتِ قرآن کے عموم کی صراحت، اختلافِ قوابل کی نص۔ اس بات کی طرف اشارہ کہ خدا تعالیٰ اپنا فیضان کسی سے نہیں روکتا۔ رہا فیضیاب ہونا یا نہ ہونا تو یہ انسان کے پاکیزہ دماغ یا زنگ آلودہ دل پر موقوف ہے۔ اسی

toobaafoundation.com

کی تائید اُس حدیث سے ہوتی ہے جو حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مجھ جو علم و ہدایت دے کر خدا تعالیٰ نے بھیجا ہے اُس کی مثال ایسی ہے جیسے سبزہ اُگانے والا پانی اپنے وقت پر کسی زمین پر برستا ہے۔ زمین کا جو ٹکڑا پاکیزہ ہوتا ہے وہ پانی کو قبول کر لیتا ہے اور اس میں تر و تازہ گھاس اور خاص سبزہ بکثرت پیدا ہوتی ہے اور اسی میں جو ٹکڑا نشیبی ہوتا ہے اُس میں پانی جمع رہتا ہے جس سے آدمی فائدہ اُٹھاتے ہیں پیتے ہیں پلاتے ہیں، سینچتے ہیں، زراعت کرتے ہیں۔ لیکن جو ٹکڑا چٹیل میدان، کنکریلا پتھریلا ہوتا ہے اُس میں نہ پانی جمع ہوتا ہے اور نہ سبزہ اُگتا ہے۔ پس یہی مثال ہے دو طرح کے لوگوں کی۔ ایک وہ ہے جس نے دین میں فقاہت حاصل کی اور میرے لائے ہوئے قوانین سے نفع اٹھایا، خود سیکھا دوسروں کو سکھایا۔ دوسرا وہ ہے جس نے اس کی طرف کچھ توجہ نہ کی۔ نہ نفع اُٹھایا اور نہ میری لائی ہوئی ہدایت کو قبول کیا۔ (بخاری و مسلم مع تقدیم بعض الفاظ و تاخیر بعض)۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ

ہم نے نوح کو پیغمبر بنا کر اُن کی قوم کی طرف بھیجا نوح نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود

غَيْرُهٗ ؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ

نہیں ہے مجھے ایک بڑے دن کے عذاب کا تمہارے متعلق اندیشہ ہے نوح کی قوم کے سرداروں

قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ

نے کہا ہم یقیناً تم کو صریح گمراہی میں دیکھ رہے ہیں نوح نے کہا اے میری قوم میں بالکل نہیں بہکا ہوں

وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَاَنْصَحُ

بلکہ رب العالمین کا پیغمبر ہوں تم کو اپنے رب کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہاری خیر خواہی

لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ

کرتا ہوں اور اللہ کی طرف سے وہ بات جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے کیا تم نے اس بات سے تعجب کیا کہ تم ہی میں سے ایک شخص

مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝

کی معرفت تمہارے رب کی طرف سے تم کو نصیحت پہنچی تاکہ وہ شخص تم کو ڈرائے اور تم پرہیزگار ہو جاؤ اور تاکہ تم پر رحم کیا جائے

تفسیر

اوپر کی آیات میں اشارہ کیا گیا تھا کہ اصل پاکیزہ ہو تو فرع میں نمو ہوتا ہے۔ شاخیں خوب سرسبز ہوتی ہیں۔ اگر دل میں نیکی کی صلاحیت ہو تو ظاہر و باطن سب صالح ہو جاتا ہے اور جب دل کی حالت خراب ہو تو تمام اعضاء بدکار، فاسق ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مومن کا دل چونکہ پاک ہوتا ہے، روح پاک ہوتی ہے، زبان پاک ہوتی ہے، تمام اعضاء و جوارح پاک ہوتے ہیں اُس کی روح بھی پاک ہوتی تعلیم و اصلاح اس کو مفید ہوتی ہے اور کافر کا دل چونکہ ناپاک ہوتا ہے اس لئے اس کی روح خبیث، زبان خبیث، اور اعضاء و جوارح خبیث ہوتے ہیں۔ ہر چند تعلیم و اصلاح و پند کی جائے کچھ مفید نہیں ہوتا اور بیہودہ وہم و بے بنیاد شک میں پڑا رہتا ہے۔ نیک راہ نیک بات نیک تعلیم اور نیک نصیحت سب

toobaafoundation.com

کی طرف سے آنکھ بند کر لیتا ہے۔ چنانچہ گزشتہ واقعات اس کے شاہد ہیں۔ جو لوگ بد باطن اور خبیث الارواح تھے اور جن کے دل گندے تھے ان کو نصائح و عبر دلائل و براہین اور کسی قسم کی خیر خواہی نے کوئی فائدہ نہ پہنچایا۔ آب رحمت سے بجائے فائدہ کے ان کو نقصان ہوا۔ مزید گندگی پھیلی قوم نوح، قوم ہود اور قوم صالح وغیرہ کے تذکرے دیکھ لو کہ ان کو کوئی پند و موعظت کارگر نہ ہوئی۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ یعنی جب نوح کی قوم سرکش و طاغی ہوگئی اور اس کی سرتابی حد سے گزر گئی تو خدا تعالیٰ نے نوح کو اس کی ہدایت و اصلاح کے لئے بھیجا حسب الحکم حضرت نوح نے ان کو نصیحت کی۔ توحید، الوہیت اور ربوبیت کی طرف مائل کیا اور قیامت کے عذاب سے۔

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ مگر سرکش قوم کے سرکش سردار بولے نوح تم کیا کہہ رہے ہو۔ کیوں راہ راست سے بھٹکتے ہو۔ ہمارے نزدیک تو تم بالکل کھلے طور پر گمراہ ہو اور اپنی گمراہی میں ہم کو بھی آلودہ کرنا چاہتے ہو۔ کیسی قیامت اور کیسا عذاب۔

قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ حضرت نوح نے فرمایا لوگو! چونکہ تم میری قوم والے ہو۔ مجھے تم سے ہمدردی ہے۔ میں کسی قسم کی گمراہی میں مبتلا نہیں ہوں۔ نہ ظاہری طور پر گمراہ ہوں نہ باطنی گمراہی کا کوئی شائبہ ہے بلکہ تم لوگوں پر یہ خدا کی رحمت ہے کہ اس نے اپنا پیام ہدایت اور احکام صلاح پہنچانے کے لئے مجھے تمہارے پاس رسول بنا کر بھیجا ہے کیونکہ اللہ رب العلمین ہے۔ ظاہری ایجاد و تربیت بھی اسی کے ہاتھ میں ہے اور باطنی اصلاح و ترقی کا بھی وہی مالک ہے۔ تمہاری اصلاح مقصود ہے۔

اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ میں تم کو اس کے احکام پہنچائے دیتا ہوں اور نہ فقط تبلیغ احکام کرتا ہوں بلکہ تمہارا خیر خواہ بھی ہوں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ میرے ان احکام کو مان لو کیونکہ جو باتیں مجھے معلوم ہیں تم ان سے ناواقف ہو۔ احکام الٰہی کو ماننا موجب نجات اور ان سے سرتابی موجب ہلاکت ہے۔ تم نہیں جانتے کہ یہ احکام میرے پاس کس طرح آئے اور ان کو نہ ماننے سے کیا نتیجہ بد ظاہر ہوگا۔ غرض یہ کہ حضرت نوح نے ان کے شکوک کا ازالہ کیا۔ انتہائی شفقت و مہربانی سے کفار کو اپنی حقانیت و صداقت سمجھائی۔ خدا کا رحیم ہونا اپنا خیر خواہ ہونا اور قوم کا ناواقف ہونا بیان کیا مگر قوم طعون نہ ماننے والی تھی نہ مانی تو بالآخر حضرت نوح نے ان کو پھر سمجھایا اور فرمایا:۔

اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ لوگو! کیا تم کو اس بات کا کچھ تعجب ہے کہ اللہ کی طرف سے پیام موعظت تم ہی لوگوں میں سے ایک شخص پر نازل ہوا کسی غیر نوع غیر جنس یا غیر قوم کے کسی فرد پر کیوں نہ نازل ہوا؟ اس کا تعجب تم کو ہرگز نہ ہونا چاہئیے۔ تمہاری ہی قوم کے ایک فرد کے پاس پیام رحمت آنے کا منشا یہ ہے کہ وہ اپنی یگانگت کی وجہ سے تم کو نصیحت کرے اور بصورت سرکشی عذاب الٰہی سے ڈرائے اور تم شرک و معاصی سے بچ جاؤ اور تم پر رحمت الٰہی ہو اور نجات ابدی نصیب ہو جائے۔ یہ کام کسی غیر پیامبر سے ہو نہیں اتنی سہولت سے نہ ہو سکتا تھا جتنا اپنے ہم قوم پیامبر کے ہونے سے۔ یہ مقام تعجب نہیں، بلکہ موقع شکر ہے۔

تحقیق: کہا جاتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد سب سے پہلے رسول اہل ارض کے لئے حضرت نوح علیہ السلام تھے۔ ابن ابی حاتم، ابن مردویہ اور ابن عساکر نے بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ اس مضمون کی ایک مرفوع حدیث بھی نقل کی ہے۔ لیکن اہل تحقیق کا قول ہے کہ حضرت نوح سے پہلے بھی پیغمبر خدا کے آچکے تھے۔ مثلاً ادریس، شیث وغیرہ۔ کیونکہ بروایت محمد ابن اسحاق حضرت نوح، حضرت آدم کی نویں نسل میں تھے۔ نوح بن الملک بن متوشلخ بن اخنوخ بن مہلائیل بن قینن بن انوش بن شیث بن آدم۔ بعض لوگ دسویں پشت میں قرار دیتے ہیں۔ بہرحال یہ ظاہر ہے کہ گمراہی حضرت نوح سے پہلے بہت کچھ پھیل چکی تھی جس کی ابتدائی شکل عبد اللہ ابن عباس اور دیگر علمائے تفسیر نے یہ بیان کی ہے کہ جو نیک متقی علماء و صلحاء اولیاء مر گئے تھے عام لوگ ان کی قبروں کے پاس مسجدیں بنا لیتے تھے اور مسجدوں کی دیواروں پر ان کی تصویریں کھود لیتے تھے تاکہ تصویروں کو دیکھ کر ان کے حالات اور عبادات کو سوچ سکیں اور انہی کی طرح نیکیاں کرنے کی کوشش کریں۔ لیکن جوں جوں زمانہ گزرتا گیا اس

toobaafoundation.com

خیال میں بھی ترمیم ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ تصویروں کی بجائے مورتیاں بنا کر نصب کرنی شروع کر دی گئیں۔ اور ان مورتیوں کی تعظیم تکریم ہونے لگی اور بالآخر اُن کو پوجنے لگے۔ اس وقت خدا تعالیٰ نے انبیاء کا سلسلہ جاری فرمایا۔ قوم نوح کا ملک آرمینیا اور ایشیائے کوچک میں آباد تھی۔

تنبیہ محمد بن اسحاق کا قول ہے کہ چالیس سال کی عمر میں حضرت نوحؑ کو نبوت ملی تھی۔ بعض کے نزدیک پچاس سال کی عمر میں۔ اول روایت زیادہ قوی ہے۔

فَكَذَّبُوهُ فَأَنجَيْنَاهُ وَالَّذِينَ مَعَهُ فِي الْفُلْكِ وَأَغْرَقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا

بالآخر اُن لوگوں نے نوح کی تکذیب کی تو ہم نے نوح کو اور اُن کے ساتھیوں کو ایک کشتی میں بٹھا کر بچا لیا اور جنھوں نے ہمارے احکام کو نہ مانا تھا اُن کو

بِآيَاتِنَا ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا عَمِينَ ۝

ع ۶ ۱۵

غرق کر دیا واقعی وہ اندھی قوم تھی

تفسیر حاصل یہ ہے کہ حضرت نوحؑ کا سمجھانا بے سود گیا۔ جو لوگ کور باطن اور خبیث القلب تھے انھوں نے حضرت نوحؑ کو سچا نہ جانا۔ ان کی نصیحت نہ مانی۔ خدا کی رحمت کو ٹھکرا دیا اور عذاب الٰہی سے بے خوف ہو گئے۔ چونکہ وہ کور باطن تھے چشمِ دل اُن کی اندھی تھی اس لئے عذاب الٰہی نے سب کو تباہ کر دیا لیکن جو لوگ بینا دل رکھتے تھے اور پاک روح کے مالک تھے اللہ نے اُن کو بچا لیا۔

مقصودِ بیان اس بات کی طرف محکم اشارہ کہ جن کا دل قبولِ حق کی صلاحیت رکھتا ہے وہی آپ رحمت سے اپنی روح اور زبان اور اعضاء کو پاک کرتے ہیں اور جو بد باطن ہیں اُن کو کسی جلیل القدر نبی کی نصیحت اور ترہیب و ترغیب بھی فائدہ نہیں پہنچاتی۔

(۲) اس بات کی صراحت کہ حضرت نوح نے سب سے پہلے پرستش غیر اللہ کو حرام قرار دیا۔ اس سے اس جانب اشارہ ہے کہ تمام گناہوں میں شرک ذات و صفات سب سے بڑا گناہ ہے۔

(۳) اللہ رب العالمین ہے۔ تربیتِ جسمانی و اصلاحِ روحانی دونوں اسی کے دستِ قدرت میں ہیں۔

(۴) نبی کو علم اتنا ہوتا ہے کہ اس زمانہ کے دیگر لوگوں کو نہیں ہوتا۔ لیکن یہ علم صلاح و فساد عباد کے متعلق ہوتا ہے جس کا تعلق وحی الٰہی سے ہوتا ہے۔ کسی علوم میں نبی کی برتری ضروری نہیں۔

(۵) آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ سب سے پہلے انسان کو جو بات قبولِ حق سے روکتی ہے وہ اپنے مساوی درجہ رکھنے والے کی غیر معمولی فوقیت کا ظہور ہے۔ انسان جس کو اپنا ہم رتبہ یا اپنے سے حقیر سمجھتا ہے اس کی برتری کا قائل مشکل سے ہوتا ہے۔

(۶) خدا تعالیٰ دنیا میں بھی اہلِ ایمان کا مددگار ہوتا ہے اور جب گنہگار بندہ کی سرکشی حد سے گزر جاتی ہے تو دنیا میں بھی اُس پر عذاب آ جاتا ہے۔

(۷) اس قصہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر بھی ایک مستحکم دلیل ہے کہ آپ نے بغیر پڑھے لکھے سیکھے سکھائے ایسے صحیح حالات بیان فرمائے جن کو دنیا کے کل اہلِ تاریخ بھی آج تک صحیح مانتے ہیں۔

(۸) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اُمت کو ایذائے کفار پر تسکین و صبر کی تلقین فرمائی گئی ہے اور کفار کو انذار و ترہیب کی گئی ہے۔ وغیرہ

وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا ۗ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۚ

اور عاد کے پاس اُن کے بھائی ہود کو ہم نے بھیجا ہود نے کہا اے قوم اللہ کی عبادت کرو اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے

toobaafoundation.com

أَفَلَا تَتَّقُونَ ۝ قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرَاكَ فِي

کیا تم ڈرتے نہیں ہود کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا ہم یقیناً تم کو بیوقوفی

سَفَاهَةٍ وَإِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۝ قَالَ يَا قَوْمِ لَيْسَ بِي سَفَاهَةٌ

میں (مبتلا) دیکھ رہے ہیں اور بلاشبہ تم کو جھوٹا سمجھتے ہیں ہود نے کہا اے قوم مجھ میں بیوقوفی نہیں ہے

وَلَٰكِنِّي رَسُولٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي وَأَنَا لَكُمْ

بلکہ میں رب العالمین کا فرستادہ ہوں میں تم کو اپنے رب کے پیغام پہنچاتا ہوں اور میں تمہارا

نَاصِحٌ أَمِينٌ ۝ أَوَعَجِبْتُمْ أَنْ جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِنْ رَبِّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ

المتدار خیر خواہ ہوں کیا تم نے اس بات سے تعجب کیا کہ تم ہی میں سے ایک آدمی کی معرفت تمہارے رب کی طرف سے

مِنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ۚ وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِنْ بَعْدِ قَوْمِ نُوحٍ

نصیحت آگئی تاکہ وہ تم کو ڈرائے یاد کرو جب اللہ نے نوح کی قوم کے بعد تم کو جانشین بنایا

وَزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَسْطَةً ۖ فَاذْكُرُوا آلَاءَ اللَّهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝

اور بدن کا پھیلاؤ تم کو زیادہ دیا پس اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو

قَالُوا أَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللَّهَ وَحْدَهُ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا ۖ

قوم والوں نے کہا کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہم صرف خدا کی عبادت کریں اور جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے رہے اُن کو چھوڑ دیں

فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝ قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ

تو اگر تم سچے ہو تو جس (عذاب کا) تم وعدہ کرتے ہو وہ ہم پر لے آؤ ہود نے کہا تم پر تمہارے رب کی طرف سے

مِنْ رَبِّكُمْ رِجْسٌ وَغَضَبٌ ۖ أَتُجَادِلُونَنِي فِي أَسْمَاءٍ سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ

عذاب و غضب واقع ہو گیا کیا تم (فرضی معبودوں کے) ان ناموں میں مجھ سے جھگڑا کرتے ہو جو تم نے

وَآبَاؤُكُمْ مَا نَزَّلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ ۚ فَانْتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُمْ مِنَ

اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں جن کی کوئی سند اللہ نے نہیں اُتاری پس انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ

toobaafoundation.com

الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا

منتظر ہوں چنانچہ ہم نے ہود کو اور اُن کے ساتھیوں کو اپنی مہربانی سے بچالیا اور ان لوگوں کی

دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝

جڑ کاٹ دی جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا اور بے ایمان تھے

ع ۹ ۱۶

تفسیر قوم نوحؑ کے بعد قوم ہود یعنی عاد کا قصہ بیان فرماتا ہے۔ چونکہ قوم نوح کسی مشہور نام سے تاریخ میں مذکور نہیں۔ اس لئے اُس کا کوئی خاص نام ذکر نہیں کیا اور قوم ہود کا نام عاد مشہور ہے اس لئے نام لے کر ذکر کرنا مناسب تھا۔ یہ لوگ طوفانِ نوح کے بعد عرب کے جنوبی حصہ میں جو اب یمن کہلاتا ہے آباد تھے۔ عاد کے نام سے دو قومیں موسوم ہیں:۔ عادِ اولیٰ اور عادِ ثانی۔ عادِ ثانی عادِ اولیٰ کی بقیہ نسل کا نام ہے۔ دونوں کے درمیان سو سال کا فرق ہے۔ جس طرح عادِ اولیٰ اور قوم نوح کے درمیان آٹھ سو سال کا فصل ہے۔ اہلِ تاریخ کا اتفاق ہے کہ قومِ عاد سام بن نوح کی اولاد میں سے تھی لیکن اس کے بعد اختلاف ہے کہ سام سے تحت ان کا نسب کیا ہے۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ قومِ عاد، عاد ابن عوص بن ارم بن شالخ بن ارفخشد بن سام کی اولاد تھی۔ مفسر سراج وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ عاد بن عوص بن ارم بن سام کی نسل تھی۔ تفسیر حافظ میں بہ قول ابن اسحاق بیان کیا ہے کہ عاد بن ارم بن عوص بن سام کی نسل تھی۔

رہے عادِ ثانی تو یہ عملیق بن آدم بن سام بن نوحؑ کی اولاد میں سے تھے اور مکہ میں سکونت رکھتے تھے۔ انہی کو عمالقہ کہا جاتا ہے۔ اُس زمانہ میں ان کا سردار معاویہ بن بکر تھا اور معاویہ کی ماں قوم عاد میں سے تھی۔ اسی لئے اُس کی نسل کو عادِ ثانی کہتے ہیں۔ غرض عادِ اولیٰ کا مسکن یمن میں بمقام احقاف تھا۔ احقاف ایک ریگستان کا نام ہے جس کو رمل عالج بھی کہتے ہیں۔ ان کی تعداد چیونٹیوں کی طرح بے انتہا تھی عمان سے لے کر حضرموت تک پھیلے ہوئے تھے۔

محمد بن اسحاق کا قول ہے کہ عاد کی سکونت اصلی اگرچہ عمان سے لے کر حضرموت تک تھی مگر ان ممالک کے علاوہ دیگر ممالک میں بھی پھیلے ہوئے تھے۔ اور شدت و توانائی سے تمام قوموں کو زیر کر لیا تھا۔ حضرت ہودؑ بھی عاد ہی کی نسل میں سے تھے اور ہم قوم ہونے کے لحاظ سے ان کے برادر تھے۔ آپ عبداللہ بن رباح بن خلود بن عاد کے بیٹے تھے۔ قوم میں وجیہ اور معزز تھے۔ قوم عاد کے آدمیوں کی قوت اور درازیٔ قامت اس زمانہ کی اقوام میں بے نظیر تھی۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ عادی آدمی پتھر کے کواڑ اکیلا اُٹھا لیتا تھا اگر اس وقت کے پانچ سو آدمی لگیں تو نہ اُٹھا سکیں۔

مفسر جلال محلی کا قول ہے کہ قوم عاد کا سب سے زیادہ لمبا آدمی چار سو ہاتھ تک تھا۔ ابوحمزہ ثانی نے ستر ہاتھ کا بیان کیا ہے۔ ابن عباسؓ کی روایت میں اسّی ہاتھ کا ذکر ہے۔ مقاتل اور قتادہ کے نزدیک سب سے لمبا قد بارہ ہاتھ کا تھا۔ قولِ آخر زیادہ قرینِ عقل ہے۔ لیکن قرآن میں کہیں ناپ کا ذکر نہیں صرف کھجور کے تنوں سے اُن کی لاشوں کو تشبیہ دی گئی ہے۔ بہرحال اتنا متیقن ہے کہ ان کے قد بہت لمبے اور قوت و شہ زوری بے مثل تھی۔ جب اُن کی سرکشی حد سے بڑھ گئی تو:۔

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ خدا تعالیٰ نے حضرت ہودؑ کو اُن کی ہدایت کے لئے مقرر فرمایا۔

قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ حضرت ہودؑ نے سب سے پہلے اُن کو توحیدِ الٰہی کی نصیحت کی اور شرک سے منع کیا۔ اور فرمایا لوگو! تم میرے ہم قوم ہو مجھے تمہاری حالت پر رحم آتا ہے شرک چھوڑ دو۔ غیر اللہ سے منہ موڑ لو۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ کیا تم کو شرک و معاصی کی پاداش کا خوف نہیں۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ قوم والے بولے تم تو بے وقوف ہو۔ حماقت و بے عقلی تمہارے دماغ میں جم گئی ہے۔ ہمارے خیال میں تم قطعاً جھوٹے ہو۔ رسالت کا دعویٰ کرتے ہو اور حماقت کی طرف ہم کو بلاتا

toobaafoundation.com

چاہتے ہو۔

قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِىْ سَفَاهَةٌ وَّلٰـكِنِّىْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّىْ وَاَنَا لَـكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ

حضرت ہود نے اُن کو اپنی خیر خواہی نبوت اور صداقت کا انتہائی زور کے ساتھ یقین دلانا چاہا اور فرمایا بھائیو! میں بے وقوف نہیں ہوں۔ تمہارے رب کی طرف سے اس کے احکام پہنچانے والا ہوں اور تمہارا خیر خواہ اور خدا کی طرف سے امین بھی ہوں۔ اللہ کے احسانات بھی یاد دلائے کہ:۔

وَاذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَـكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِى الْخَـلْقِ بَصْۜـطَةً ۚ فَاذْكُرُوْۤا اٰلَۤاءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ

دیکھو خدا نے قوم نوح کے بعد تم کو روئے زمین پر بادشاہ و حکمران کیا۔ جسمانی طاقت و توانائی اور بدن کے طول و عرض میں تم کو سب پر فوقیت عطا کی لہٰذا تم کو اللہ کی ان نعمتوں کو یاد کرکے اُس کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔ اس سے تم کو ہی فائدہ پہنچے گا۔ دنیوی و اخروی فلاح حاصل ہوگی۔

قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ

متکبر و مغرور کافر نہ ماننے والے تھے نہ مانے۔ بولے کیا تمہارے کہنے سے ہم سب معبودوں کو چھوڑ کر اکیلے خدا کی پرستش کرنے لگیں گے۔ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا اگر تم سچے ہو کہ توحید کو نہ ماننے سے عذاب نازل ہوگا تو عذاب موعود لے آؤ۔

قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ؕ اَتُجَادِلُوْنَنِىْ فِىْۤ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ فَانْتَظِرُوْۤا اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ حضرت ہود نے فرمایا اچھا تو عذاب آگیا۔ مجھے اس کا علم ہوگیا ہے۔ تم عجب بے وقوف لوگ ہو۔ اختراعی نام بتوں کے قائم کرکے اللہ کے ساتھ ان کو شریک کرتے ہو اور اتنا نہیں سمجھتے کہ اُن کے معبود ہونے کی نہ کوئی عقلی دلیل ہے نہ نقلی۔

(قوم عاد نے بتوں کے چند نام مقرر کر رکھے تھے۔ کسی کا نام صدی یا صما تھا کسی کا صیمود۔ کسی کا ہبا ما اور کسی کا ہرد)

لیکن جب تم باز نہیں آتے تو عذاب کا انتظار کرو۔ میں بھی تمہاری تباہی کا منتظر ہوں۔ غرض عذاب الٰہی آیا اور رحمت الٰہی نے ہود کو اور اُن کے ساتھی مسلمانوں کو بچالیا اور ایمان نہ لانے والوں کی جڑ کٹ گئی۔

محمد بن اسحٰق کہتے ہیں جب قوم عاد نے کسی طرح نہ مانا تو تین سال سخت قحط پڑا۔ بارش کے نام ابر کا ٹکڑا بھی دکھائی نہ دیا۔ مگر ایمان تب بھی نہ لائے۔ عرب کا دستور تھا کہ جب اُن پر کوئی سخت مصیبت پڑتی تو کچھ لوگوں کو دعا کرنے کے لئے مکہ بھیجتے۔ چنانچہ قوم عاد نے مکہ کو بھیجنے کے لئے ایک وفد منتخب کیا جس میں چار آدمی تھے۔ قیل بن عنز۔ نعیم بن ہزال۔ عقیل بن ضد۔ مرثد بن سعد۔

وفد کا سردار قیل تھا۔ یہ وفد مکہ پہنچ کر عمالقہ کے سردار معاویہ بن بکر کے پاس ٹھہرا۔ معاویہ نے خوب خاطر تواضع کی۔ گوشت کھلوائے شرابیں پلوائیں۔ گانے والی عورتوں کو یہ اشعار یاد کرائے اور کہہ دیا کہ جب مجلس گرم ہو یہ اشعار خوش الحانی کے ساتھ گانا:۔

الا یا قیل انت قم، فھینمل لعل اللہ یسقینا غماما

اے قیل اٹھ کر عاجزی سے دعا کرتا کہ ہم کو اللہ باران رحمت سے سیراب کرے

فیسقی ارض عاد ان عادًا قد امسوا لا یبینون الکلاما

اور زمین عاد شاداب ہو جائے کیونکہ قوم عاد کی یہ حالت ہوگئی ہے کہ زبان سے بات بھی نہیں نکلتی

من العطش الشدید فلیس نرجو بہ الشیخ الکبیر ولا الغلاما

بوجہ شدت پیاس کے۔ اس کی وجہ سے نہ بوڑھے کی امید نہ بچے کی

وقد کانت نساءھم بخیر فقد امست نساءھم عیاما

اُن کی عورتیں پہلے خوش حال تھیں۔ مگر اب اُن کی حالت خراب ہوگئی

toobaafoundation.com

وان الفواحش تاتیھم جھاراً　　　ولا تخشی لعادی سھاما

کہ تم کھلا قوم والوں پر جنگلی جاکر چڑھ آتے ہیں اور کسی عادی کے تیروں سے نہیں ڈرتے

وانتم ھھنا فیما اشتھیتم　　　نھارکم ولیلکم التماما

اور تم یہاں تمام شب و روز اپنی خواہشات میں پڑے ہوئے ہو

فقبح وفدکم من وفد قوم　　　ولا لقوا التحیۃ والسلاما

جس قوم کے تم وفد ہو اُس نے تم سے تحیت، دعا نیت کچھ نہ

گانے والی نے حسب الحکم یہ اشعار گائے۔ اس وقت لوگوں کو بہت احساسِ غفلت ہوا۔ مگر مرثد بن سعد چونکہ در پردہ مسلمان ہو چکا تھا۔ اس لئے کہنے لگا واللہ تم لوگوں کی دعا سے پانی نہ برسے۔ جب تک تم اپنے نبی کا کہنا نہ مانو گے۔ لہٰذا تم توبہ کرو۔ لوگوں نے مرثد کو اپنے ساتھ سے علیحدہ کر دیا اور حرم کے اندر چلے گئے اور خود جاکر پانی کی دعا کی۔ اُسی وقت تین ابر کے ٹکڑے نمودار ہوئے۔ سرخ، سپید، سیاہ۔ آواز آئی ایک کا انتخاب کرلو۔ قیل نے سیاہ کا انتخاب کیا۔ سیاہ ٹکڑا قوم عاد کی بستیوں کی طرف چلا اور آواز آئی کوئی نہ بچے گا سب کو برباد کر دے گا سوائے بنو لوذیہ کے۔ بنو لوذیہ قوم عاد کی ایک شاخ تھی جو مکہ میں رہتی تھی۔ اسی کو عادِ ثانی کہا جاتا ہے۔

غرض ابر سیاہ جب وادی مغیث سے برآمد ہوا تو لوگوں نے للچائی ہوئی نظروں سے اس کو دیکھا اور بولے۔ هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا اس سے بارش ضرور ہوگی۔ حضرت ہودؑ مع جماعت مومنین کے ایک خطیرہ کے اندر بیٹھ گئے۔ اور ابر میں ایک آندھی اٹھی جو آٹھ دن سات راتیں برابر چلتی رہی اور قوم عاد تباہ ہو گئی۔ اونٹ مع سوار کے ہوا پر اڑتے اور زمین پر ٹپک کر گرتے تھے۔ جو لوگ مکانوں کے اندر گھس گئے اُن پر مکانوں کی چھتیں گر گئیں اور مع دیوار اور دروں کے ہوا پر اڑنے لگے۔ غرض اس عظیم الشان طوفان سے کوئی کافر زندہ نہ بچ سکا۔ صرف حضرت ہودؑ مع جماعت مومنین کے بچ گئے۔ جب سب قوم تباہ ہو گئی تو اتفاق سے کسی شتر سوار نے جاکر وفد والوں کو اس کی اطلاع دی۔ اہلِ وفد یہ جانکاہ حادثہ سن کر بولے ہودؑ کہاں ہے؟ شتر سوار بولا ہود مع ساتھیوں کے زندہ و سالم سمندر کے کنارے پر رہتے ہیں۔ قیل نے سن کر کہا اب میں تنہا رہ کر کیا کروں گا جب کہ میری قوم ہی زندہ نہ رہی۔ مرثد نے اس وقت یہ شعر پڑھے:۔

عصت عاد رسولھم فامسوا　　　عطاشا ما تبلھم السماء

وسیر وفدھم شھرا لیسقوا　　　فاردفھم مع العطش العناء

بکفرھم بربھم جھاراً　　　علی آثارھم عاد الغفار

اس کے بعد مرثد حضرت ہودؑ کے پاس چلا گیا۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت ہود مکہ میں آکر رہنے لگے تھے اور ڈیڑھ سو برس کی عمر میں وہیں وفات پائی اور مطاف کعبہ میں مدفون ہوئے۔

مگر یہ قول ضعیف ہے کیونکہ حضرت علی رضہ نے ایک حضرمی شخص سے فرمایا تھا۔ تو نے وہ سرخ ٹیلہ دیکھا ہے جو درخت پیلو کے سامنے فلاں مقام پر ہے جس کے اندر سیاہ اور سرخی مائل ٹیلے موجود ہیں اور فلاں فلاں جانب بیریوں کے درخت ہیں۔ حضرمی نے عرض کیا جی ہاں امیر المومنین خدا کی قسم آپ تو ایسا ٹھیک ٹھیک اس کو پتہ سے بیان فرما رہے ہیں جیسے کسی نے آنکھوں سے دیکھا ہو۔ فرمایا میں نے دیکھا نہیں بلکہ اس کا قصہ مجھ سے بیان فرمایا گیا ہے۔ حضرمی نے عرض کیا۔ امیر المومنین! اُس کا قصہ کیا ہے؟ فرمایا اس میں ہودؑ کی قبر ہے۔ (ابن جریر)

مقصودِ بیان توحید کی تعلیم دینِ الٰہی کا جزو اول ہے۔ کور باطن اور تیرہ دروں اشخاص کو ہدایت ضلالت اور نور اندھیرا نظر آتا ہے۔ اپنی دانش و سمجھ کے مقابلہ میں وہ برحق ہادیوں کو احمق اور بے وقوف سمجھا کرتے ہیں۔ کوئی نبی احمق نہیں ہوتا اور نہ جھوٹا ہو سکتا ہے۔ بوقتِ ضرورت آدمی اپنے سچے اوصاف کو ظاہر کر سکتا ہے۔ شرعاً یہ فعل ممنوع نہیں ہے۔ البتہ اظہارِ محاسن بطور تفاخر و تکبر ممنوع ہے۔ قوم نوح کے بعد ملک و سلطنت قوم عاد میں سے ہوئے۔ قوم عاد کی قوتِ جسمانی اور بدنوں کی وسعت غیر معمولی تھی۔ احمق اپنے قدیمی رواج اور

toobaafoundation.com

وان الفواحش تاتیهم جهارا ولا یخشی لعادی سهاما
کھلم کھلا قوم والوں پر جنگلی جاکر چڑھ آتے ہیں اور کسی عادی کے تیروں سے نہیں ڈرتے
وانتم ههنا فیما اشتهیتم نهارکم ولیلکم التماما
اور تم یہاں تمام شب و روز اپنی خواہشات میں پڑے ہوئے ہو
فقبح وفدکم من وفد قوم ولا لقوا التحیة والسلاما
جس قوم کے تم وفد ہو اُس نے تم سے تحیت، و عافیت کچھ نہ

گانے والی نے حسب الحکم یہ اشعار گائے۔ اس وقت لوگوں کو بہت احساسِ غفلت ہوا۔ مگر مرثد بن سعد چونکہ در پردہ مسلمان ہو چکا تھا۔ اس لئے کہنے لگا واللہ تم لوگوں کی دعا سے پانی نہ برسے۔ جب تک تم اپنے نبی کا کہنا نہ مانو گے۔ لہٰذا تم توبہ کرو۔ لوگوں نے مرثد کو اپنے ساتھ سے علیحدہ کر دیا اور حرم کے اندر بند رہنے لگے اور خود جاکر پانی کی دعا کی۔ اُس وقت تین ابر کے ٹکڑے نمودار ہوئے۔ سرخ، سپید، سیاہ۔ آواز آئی ایک کو انتخاب کر لو۔ قیل نے سیاہ کا انتخاب کیا۔ سیاہ ٹکڑا قوم عاد کی بستیوں کی طرف چلا اور آواز آئی کوئی نہ بچے گا سب کو برباد کر دے گا سوائے بنو لوذیہ کے۔ بنو لوذیہ قوم عاد کی ایک شاخ تھی جو مکہ میں رہتی تھی۔ اسی کو عادِ ثانی کہا جاتا ہے۔

غرض ابر سیاہ جب وادی مغیث سے برآمد ہوا تو لوگوں نے للچائی ہوئی نظروں سے اس کو دیکھا اور بولے۔ هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا اس سے بارش ضرور ہوگی۔ حضرت ہودؑ مع جماعت مومنین کے ایک خطیرہ کے اندر بیٹھ گئے اور ابر میں ایک آندھی اٹھی جو آٹھ دن سات راتیں برابر چلتی رہی اور قوم عاد تباہ ہو گئی۔ اونٹ مع سوار کے ہوا پر اڑتے اور زمین پر ٹپک کر گر جاتے تھے۔ جو لوگ مکانوں کے اندر گھس گئے اُن پر مکانوں کی چھتیں گر گئیں اور مع دیوار اور دروں کے ہوا پر اڑنے لگے۔ غرض اس عظیم الشان طوفان سے کوئی کافر زندہ نہ بچ سکا۔ صرف حضرت ہودؑ مع جماعت مومنین کے بچ گئے۔ جب سب قوم تباہ ہو گئی تو اتفاق سے کسی شتر سوار نے جاکر وفد والوں کو اس کی اطلاع دی۔ اہلِ وفد یہ جانکاہ حادثہ سن کر بولے ہودؑ کہاں ہے؟ شتر سوار بولا ہود مع ساتھیوں کے زندہ و سالم سمندر کے کنارے پر رہتے ہیں۔ قیل نے سن کر کہا اب میں زندہ رہ کر کیا کروں گا جب کہ میری قوم ہی زندہ نہ رہی۔ مرثد نے اس وقت یہ شعر پڑھے:۔

عصت عاد رسولهم فامسوا عطاشا ما تبلهم السماء
وسیر وفدهم شهرا لیسقوا فاردفهم مع العطش العماء
بکفرهم بربهم جهارا علی آثارهم عاد الغفار

اس کے بعد مرثد حضرت ہودؑ کے پاس چلا گیا۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت ہود مکہ میں آکر رہنے لگے تھے اور ڈیڑھ سو برس کی عمر میں وہیں وفات پائی اور مطاف کعبہ میں مدفون ہوئے۔

مگر یہ قول ضعیف ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک حضرمی شخص سے فرمایا تھا۔ تو نے وہ سرخ ٹیلہ دیکھا ہے جو درخت پیلو کے سامنے فلاں مقام پر ہے جس کے اندر سیاہ و سرخی مائل ٹیلے موجود ہیں اور فلاں فلاں جانب بیریوں کے درخت ہیں۔ حضرمی نے عرض کیا جی ہاں امیر المومنین خدا کی قسم آپ تو ایسا ٹھیک ٹھیک اس کو پتے سے بیان فرما رہے ہیں جیسے کسی نے آنکھوں سے دیکھا ہو۔ فرمایا میں نے دیکھا نہیں بلکہ اس کا قصہ مجھ سے بیان فرمایا گیا ہے۔ حضرمی نے عرض کیا۔ امیر المومنین! اُس کا قصہ کیا ہے؟ فرمایا اس میں ہودؑ کی قبر ہے۔ (ابن جریر)

مقصود بیان

توحید کی تعلیم دینِ الٰہی کا جزو اول ہے۔ کور باطن اور تیرہ درون اشخاص کو ہدایت ضلالت اور نور اندھیرا نظر آتا ہے۔ اپنی دانش و سمجھ کے مقابلہ میں وہ برحق ہادیوں کو احمق اور بے وقوف سمجھا کرتے ہیں۔ کوئی نبی احمق نہیں ہوتا اور نہ جھوٹا ہو سکتا ہے۔ بوقتِ ضرورت آدمی اپنے اچھے اوصاف کو ظاہر کر سکتا ہے۔ شرعاً یہ فعل ممنوع نہیں ہے۔ البتہ اظہارِ محاسن بطور تفاخر و تکبر ممنوع ہے۔ قوم نوح کے بعد ملک و دولت میں قوم عاد ہی سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ قوم عاد کی قوت جسمانی اور شہ زوروں کی وسعت غیر معمولی تھی۔ احمق اپنے قدیمی رواج اور

toobaafoundation.com

طریقۂ اسلاف کو کسی طرح نہیں چھوڑتا خواہ اُس کے سامنے سنتِ قدیمہ کے مقابلہ میں کتنا ہی حق نمایاں ہو جائے۔ قومِ عاد کی نسل قطع ہوگئی صرف اُن کے تصور کہ پادشاہی میں اور آیاتِ الٰہی کی تکذیب اور حکمِ نبی کو نہ ماننے کی وجہ سے۔ اس پورے قصہ میں مومنوں کو بشارتِ نجات اور کافروں کو انذارِ عذاب ضمنی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر بھی مستحکم دلیل ہے۔ وغیرہ

وقف لازم

وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا ۘ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَٰهٍ

اور ثمود کے پاس اُن کے بھائی صالح کو بھیجا صالح نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اُس کے سوا کوئی تمہارا معبود

غَيْرُهُ ۖ قَدْ جَاءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ ۖ هَٰذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةً ۖ فَذَرُوهَا

نہیں بیشک تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے کھلی دلیل آچکی یہ خداداد اونٹنی تمہارے لئے نشانِ قدرت ہے اس کو

تَأْكُلْ فِي أَرْضِ اللَّهِ ۖ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

اللہ کی زمین میں کھاتا رہنے دو کوئی دکھ نہ پہنچاؤ ورنہ تم کو دردناک عذاب پکڑ لے گا

وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِنْ بَعْدِ عَادٍ وَبَوَّأَكُمْ فِي الْأَرْضِ

اور یاد کرو کہ جب عاد کے بعد اللہ نے تم کو جانشین بنایا اور زمین میں تم کو ٹھکانے دیئے

تَتَّخِذُونَ مِنْ سُهُولِهَا قُصُورًا وَتَنْحِتُونَ الْجِبَالَ بُيُوتًا ۖ فَاذْكُرُوا

کہ نرم زمینوں میں تم محلات بناتے تھے اور پہاڑیوں کو تراش کر گھر بناتے ہو پس اللہ کی

آلَاءَ اللَّهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۝ قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ

نعمتوں کو یاد کرو اور ملک میں تباہی پھیلاتے نہ پھرو ہود کی قوم کے ان لوگوں نے

اسْتَكْبَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لِلَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِمَنْ آمَنَ مِنْهُمْ

جو بڑے بن گئے تھے اُن کمزور لوگوں سے کہا جو ایمان لے آئے تھے

أَتَعْلَمُونَ أَنَّ صَالِحًا مُرْسَلٌ مِنْ رَبِّهِ ۚ قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلَ بِهِ

کیا تم کو یقین ہے کہ صالح اپنے رب کا پیغمبر ہے انھوں نے جواب دیا کہ ہم تو اس حکم کا یقین رکھتے

مُؤْمِنُونَ ۝ قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا بِالَّذِي آمَنْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ ۝

ہیں جو صالح کو دیکر بھیجا گیا ہے سرکش لوگ کہنے لگے جس پر تم ایمان لائے ہو ہم یقیناً اُس کے منکر ہیں

toobaafoundation.com

فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوا يَا صَالِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا

غرض انھوں نے اونٹنی کے پاؤں کاٹ ڈالے اور اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی اور کہنے لگے اے صالح اگر تو واقعی پیغمبر ہے

إِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ

تو جس چیز کا ہم سے وعدہ کرتا ہے وہ ہم پر لے آ بالآخر زلزلہ نے اُن کو آ لیا اور وہ اپنے گھروں میں زانو کے بل اوندھے

جَاثِمِينَ ۝ فَتَوَلَّىٰ عَنْهُمْ وَقَالَ يَا قَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّي وَ

گرے رہ گئے ہو دینے اُن سے رُوگردانی کی اور کہا اے قوم میں نے تم کو اپنے رب کے پیغام پہنچا دیئے اور

نَصَحْتُ لَكُمْ وَلَٰكِنْ لَا تُحِبُّونَ النَّاصِحِينَ ۝

تمہاری خیر خواہی کی مگر تم خیر خواہوں کو دوست نہیں رکھتے

تفسیر وَإِلَىٰ ثَمُودَ سے جَاثِمِينَ تک۔ قوم عاد کے بعد قوم صالح یعنی ثمود کا قصہ بیان فرماتا ہے۔ یہ قوم اپنے جدِ اعلیٰ ثمود بن عاد بن ارم کے نام سے موسوم تھی۔ (فتح البیان)

صاحب معالم و سراج اور بیضاوی وغیرہ نے ثمود کے باپ کا نام عابر بن ارم ذکر کیا ہے۔

ثمود در حقیقت جدیس بن عامر کا بھائی تھا۔ جس طرح جدیس کی نسل جدیس کے نام سے مشہور ہوئی۔ اسی طرح ثمود کی اولاد ثمود کے نام سے موسوم ہوگئی۔ یہ لوگ عرب کے شمالی شرقی جانب بلادِ حجر یعنی وادی قریٰ میں رہتے تھے۔ وادی قریٰ مدینہ اور شام کے درمیان واقع ہے۔ ان لوگوں نے پہاڑ کھود کر عجیب و غریب مکانات بنائے تھے اور اسی طرح دامنِ کوہ میں نشیبی نرم زمینوں میں بھی طرح طرح کے عالیشان محل تیار کئے تھے۔ موسم سرما میں ان محلوں میں رہتے تھے اور موسم گرما میں پہاڑی مکانوں میں۔ مالدار بھی یہ بہت تھے۔ مگر کم بخت بُت پرست اور رہزن تھے۔ علانیہ بدکاریاں کرتے اور کسی سے نہ ڈرتے تھے۔ اُن کی ہدایت کے لئے اللہ نے حضرت صالح بن عبید بن حاذر بن ثمود کو مبعوث فرمایا۔

وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا ۗ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ قَدْ جَاءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ ۖ هَٰذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةً ۖ فَذَرُوهَا تَأْكُلْ فِي أَرْضِ اللَّهِ ۖ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ حضرت صالح نے اُن کو توحید و عبادتِ الٰہی کی تعلیم دینی شروع کی اور اونٹنی کا معجزہ دکھا کر فرمایا کہ یہ تمہارے لئے خدا کی پیدا کی ہوئی ایک نشانی ہے اس کو کسی قسم کا دکھ نہ دینا ورنہ عذاب سے تباہ کر دیئے جاؤ گے۔

وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِنْ بَعْدِ عَادٍ وَبَوَّأَكُمْ فِي الْأَرْضِ تَتَّخِذُونَ مِنْ سُهُولِهَا قُصُورًا وَتَنْحِتُونَ الْجِبَالَ بُيُوتًا ۖ فَاذْكُرُوا آلَاءَ اللَّهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۝ اور اس وقت کو یاد کرو جب کہ اس نے قوم عاد کی تباہی و بربادی کے بعد تم کو پیدا کیا اور ان کا جانشین بنا دیا اور اپنی زمین میں تم کو اس طرح بسایا کہ تم نرم اور ہموار زمینوں میں تو جاڑوں میں رہنے کے لئے اونچے اونچے محل بناتے ہو اور گرمیوں میں سکونت کرنے کے لئے پہاڑوں کو تراش تراش کر مکان تعمیر کرتے ہو۔ لہٰذا تم کو زیبا ہے کہ اللہ کی دی ہوئی ایسی ایسی نعمتوں کو یاد کرو اور ہر نعمت ان کا شکریہ ادا کرتا ہے نہ کہ اُس کی زمین میں فساد کرتے ہوئے پھرو۔

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لِلَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِمَنْ آمَنَ مِنْهُمْ أَتَعْلَمُونَ أَنَّ صَالِحًا مُرْسَلٌ

toobaafoundation.com

مِّن رَّبِّهِ ۚ قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلَ بِهِ مُؤْمِنُونَ ۝ ان کی قوم کے سرکش، دولتمند سردار ان میں جو غریب ایماندار لوگ تھے ان سے پوچھنے لگے کہ کیا تم کو یقین ہے کہ صالح واقع میں اپنے رب کا بھیجا ہوا پیغمبر ہے؟ انھوں نے جواب دیا ہاں بیشک ہمارا تو اس حکم پر بھی ایمان ہے جو اُسے دے کر ہمارے پاس بھیجا گیا ہے کہ وہ بھی خدا ہی کا حکم ہے۔

قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا بِالَّذِي آمَنتُم بِهِ كَافِرُونَ ۝ اس پر وہ سرکش کہنے لگے کہ تم جس چیز کا یقین کرتے ہو ہم تو اس کی سچائی کے منکر ہیں۔

فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوا يَا صَالِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِن كُنتَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جَاثِمِينَ ۝ مگر کافروں نے نہ مانا۔ اپنے ہادی و مصلح کے ساتھ بجائے فرمان پذیری اور اطاعت کے تمسخر و بدسلوکی کے پیش آئے۔ اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں اُس کو قتل کر ڈالا اور بالآخر عذاب الٰہی نے اُن کو آ گھیرا اور سب تباہ و برباد ہو گئے۔

یہ آیات کا خلاصہ مطلب ہے۔ تفصیل وار قرآن میں مذکور نہیں۔ ہم مختلف تفسیروں سے جن کا ماخذ مختلف احادیث ہیں کسی قدر تفصیل سے نقل کرتے ہیں:-

بیضاوی اور ابن کثیر وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ قوم عاد کی ہلاکت و بربادی کے بعد قوم ثمود کا دور آیا۔ ان کی عمریں بہت دراز ہوتی تھیں اور چونکہ ہر شخص کے مرنے سے قبل اس کا مکان بوسیدہ و منہدم ہو جاتا تھا اس لئے پہاڑوں کو تراش تراش کر مکان بناتے اور بہت فراخی سے بسر کرتے تھے۔ آخر سرکشی کی اور شرک و معاصی سے زمین پہ تباہی پھیلائی۔ اللہ نے حضرت صالحؑ کو نبی بنا کر بھیجا۔ صالحؑ نے ان کو توحید کی دعوت دی اور بصورت سرتابی عذاب سے ڈرایا۔ قوم والوں نے معجزہ مانگا اور کہا ہماری عیدگاہ کو چلو۔ ہم اپنے معبودوں کو پکاریں تم اپنے اللہ کو پکارو جس کی دعا قبول ہو اُس کا قول مانا جائے۔ سب مل کر عیدگاہ کو گئے۔ کافروں نے ہرچند اپنے معبودوں کو پکارا کوئی جواب نہ ملا۔ حضرت صالحؑ کی موجودگی میں شیطان کا وجود نہ تھا۔ آخر سردار قوم جندع بن عمرو نے حضرت صالحؑ سے یہ بات کی کہ کاثبہ نامی پہاڑ سے ایک فربہ اندام قوی ہیکل حاملہ اونٹنی اگر تمہاری دعا سے برآمد ہو گی تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ حضرت صالحؑ نے ان سے مضبوط عہد لیا اور نماز پڑھ کر باری تعالیٰ سے دعا کی۔ پہاڑ میں ایسی حرکت ہوئی جیسی حاملہ جانور کی ہوتی ہے اور پھر پتھر شق ہو کر حسب مطلوب اونٹنی برآمد ہوئی۔ جندع بن عمرو یہ کیفیت دیکھ کر مع ساتھیوں کے مسلمان ہو گیا اور دیگر اشخاص بھی ایمان پہ آمادہ ہو گئے لیکن ذواب بن عمرو اور بتخانہ کے مالک حباب اور رباب [illegible] کاہن نے سب کو روکا۔ کچھ دنوں کے بعد اس اونٹنی کے ایک بچہ پیدا ہوا اور اونٹنی مع بچہ کے لوگوں کی نظروں کے سامنے رہی۔ گھاس اور مختلف [illegible] کی پتیاں چرتی اور ایک دن بیچ کنوئیں پر آیا کرتی اور سب پانی پی جایا کرتی۔ اونٹنی کے اندر یہ عجیب خاصیت تھی کہ اِدھر پانی پیا اُدھر دودھ سے تھن بھر گئے اور اتنا دودھ ہوتا کہ سب لوگوں کے برتن بھر جاتے۔ گرمی کے زمانے میں یہ اونٹنی وادی کے باہر گشت کی جانب رہتی اور قوم کے جانور وادی کے اندر رہتے اور سردی کے زمانہ میں اونٹنی وادی کے اندر رہتی اور جانور باہر رہتے۔ وجہ یہ تھی کہ جانور اس سے ڈر کر بھاگتے تھے۔ حضرت صالحؑ نے لوگوں کو خوب سمجھا دیا تھا کہ اُس اونٹنی سے کچھ تعرض نہ کرنا۔ مگر سرکش کافروں نے نہ مانا اور اُس کو قتل کر دیا۔

شیخ ابن جریر وغیرہ علمائے تفسیر نے اسباب قتل میں سے ایک بات یہ بھی لکھی ہے کہ ایک عورت عنیزہ بنت غنم بن مجلز تھی۔ یہ ذواب بن عمرو کی بیوی تھی۔ حضرت صالحؑ سے اس کو سخت عداوت تھی۔ اس کی چند حسین لڑکیاں تھیں۔ اس کے علاوہ ایک اور عورت صدوق یا صدقہ بنت محیا بن مہر تھی۔ یہ ضیم بن ہراوہ کی بیوی تھی۔ ضیم نے اپنے مال سے مسلمانوں کی بہت مدد کی تھی اس پر اس کو ناگوار ہوا اور اس نے اپنے شوہر سے طلاق لے کر ایک بدمعاش مصدع بن مہرج نامی سے نکاح کر لیا۔ ان دونوں عورتوں کے پاس مویشی بکثرت تھے اور اونٹنی سے ان کے مویشیوں کو بہت تکلیف ہوتی تھی۔ اس لئے اس نے قدار بن سالف کو بھی آمادہ کیا اور ان دونوں بدمعاشوں نے سات آدمی اور ساتھ لئے۔ مصدع اور قدار کمین گاہ میں بیٹھے تھے۔ اونٹنی جب گھاٹ سے پانی پی کر واپس آئی تو مصدع نے اُس کے تیر مارا اور قدار نے تلوار ماری کہ وہ گر گئی۔ پھر سب نے مل کر اُس کو ذبح کر ڈالا اور بچہ بھاگ کر پہاڑ پر چڑھ گیا۔

عبد الرزاق نے بروایت حسن بصری بیان کیا ہے کہ بچہ نے پہاڑ پر چڑھ کر تین آوازیں دیں اور کہا پروردگار! میری ماں کہاں گئی؟ کافر اُس کے

toobaafoundation.com

پیچھے دوڑے مگر پہاڑ شق ہوا اور بچہ اُس میں سما گیا۔ حضرت صالحؑ کو اس واقعہ کی اطلاع پہنچی تو آپ نے آکر مُردہ اونٹنی کو دیکھا اور روئے۔

بیضاوی وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت صالحؑ نے کافروں سے کہا اب تین روز کی مہلت ہے۔ تین روز تک اپنے گھروں میں رہو۔ کل تمہارے چہرے زرد، پرسوں سُرخ اور چوتھے روز سیاہ ہو جائیں گے۔ اس کے بعد پانچویں روز عذاب آئے گا۔ دوسرے روز علامتِ عذاب ظاہر ہوئی تو لوگوں کو فکر پیدا ہوئی اور حضرت صالحؑ سے دفعیہ کی صورت دریافت کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا اُس کے بچے کو تلاش کرو۔ شاید عذاب دفع ہو جائے۔ بچے کو ڈھونڈا گیا مگر نہ ملا۔

بیضاوی کا قول ہے کہ علامات عذاب دیکھ کر کچھ لوگوں نے حضرت صالحؑ کو شہید کر ڈالنا چاہا مگر آپ ارضِ فلسطین کی طرف چلے گئے۔

ابن کثیر نے بروایت ابن جریر بیان کیا ہے کہ جن لوگوں نے دھوکہ سے رات کو اونٹنی کے قتل کا ارادہ کیا تھا۔ اُن پر یوم عذاب سے پہلے ہی آسمان سے پتھر برسے اور وہ برباد ہو گئے۔

غرض روز مقررہ کے آنے سے پہلے ہی لوگوں کو عذاب کا یقین ہو چکا تھا۔ سب لوگ کفن پہنے مرنے کے لئے تیار تھے اور عجب کہرام بپا تھا۔ یوم موعود کا آفتاب طلوع ہوا۔ فوراً زمین میں زلزلہ آیا اور آسمان سے ایک ہیبت ناک چیخ سُنائی دی جس سے سب مر کر رہ گئے۔ کفار میں سے کوئی نہ بچا۔ البتا بورعال نامی ایک جوان جو اس زمانہ میں مکہ کو گیا ہوا تھا بچ رہا مگر جب وہ سرزمینِ حرم سے واپس آیا تو اُس پر بھی آسمان سے ایک پتھر گرا اور وہ بھی مر گیا۔

یہاں ایک بات غور طلب ہے اور وہ یہ کہ اس جگہ قوم ثمود کا بصورتِ مثال ذکر فرمایا ہے۔ لیکن دوسری آیتوں میں صیحہ یعنی ہیبت ناک چیخ سے ہلاک ہونا مذکور ہے۔ سورۂ ہود میں یہ ہی لفظ آیا ہے۔ پھر سورہ الحاقہ میں عذابِ طاغیہ کا ذکر آیا ہے۔ بظاہر قرآنِ پاک میں اختلافِ بیان معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو کوئی اختلاف نہیں۔ دراصل قوم پر شدید زلزلہ آیا تھا جس میں ہولناک آواز بھی تھی۔ اس لئے یہاں زلزلہ سے غارت کرنا اور دیگر مقامات پر چیخ سے ہلاک کرنا مذکور ہوا۔ رہا لفظ طَاغِیَہ تو یہ دونوں صورتوں کو شامل ہے۔ زلزلہ اور صیحہ دونوں پر اس کا اطلاق ہو سکتا ہے اور دونوں مراد بھی ہیں۔

فَتَوَلّٰی عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ٥ ابن کثیر وغیرہ نے بیان کیا کہ جب لوگ ہلاک ہو گئے تو حضرت صالحؑ نے مُردوں سے خطاب کر کے الفاظ مذکورہ فرمائے۔ اس سے ثابت ہوا کہ مُردے سنتے ہیں جس طرح جنگِ بدر کے مقتولین سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطاب کر کے فرمایا تھا اور نام بنام ارشاد کیا تھا کہ مجھ سے جو میرے پروردگار نے وعدہ فرمایا تھا وہ تو میں نے پا لیا کیا تم نے وہ وعدہ برحق پایا جو تمہارے پروردگار نے تم سے کیا تھا؟

بیضاوی نے بھی حضرت صالحؑ کا کلام مذکور ہلاکتِ قوم کے بعد قرار دیا ہے اور بیان کیا ہے کہ شاید وہ لوگ حضرت صالحؑ کا کلام سنتے ہوں۔ یا صرف اظہارِ تحسّر و تاسّف کے طور پر آپ نے فرمایا ہو کہ افسوس تم نے یہ نوبت پہنچائی اور میرا کہنا نہ مانا۔ اس صورت میں حقیقی بات سنانا مقصود نہیں بلکہ صرف افسوس کرنا مقصود ہے۔

قتادہ کا قول ہے کہ حضرت صالحؑ نے یہ بات قوم والوں سے اس وقت کہی تھی جبکہ انہوں نے اونٹنی کو قتل کر ڈالا تھا۔ گویا ہلاکت سے قبل فرمایا تھا۔ اس صورت میں سماعِ موتیٰ سے آیت کا کچھ تعلق نہیں۔

حضرت صالحؑ پر بقول بعض مفسرین چار ہزار آدمی ایمان لائے تھے اور ان لوگوں کو لے کر آپ فلسطین یا حضرموت تشریف لے گئے تھے۔

قوم ثمود کی بستیاں اب بھی اُجاڑ پڑی ہیں۔ جب ۹ھ ہجری میں رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم تیس ہزار کی فوج لے کر غزوۂ تبوک کے لئے حدودِ شام کی طرف تشریف لے گئے تھے تو وادیٔ حجر میں قوم ثمود کی ویران بستیوں کے پاس فروکش ہوئے تھے۔ لوگوں نے اُنھیں کنوؤں سے پانی بھر کر آٹا گوندھا۔ ہانڈیاں چڑھائیں اور دیگر ضروریات میں صرف کیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دے کر ہانڈیاں الٹوائیں۔ گوندھا ہوا آٹا اونٹوں کو کھلوا دیا اور وہاں سے کوچ کر کے اس کنویں کے پاس اقامت گزیں ہوئے جس کا پانی حضرت صالحؑ کی اونٹنی پیا کرتی تھی اور لوگوں کو منع فرما دیا کہ جس قوم پر عذاب نازل ہو چکا ہے اس کے پاس نہ جاؤ۔ مجھے اندیشہ ہے کہ تم کو بھی ویسا ہی عذاب نہ پہنچے۔ (رواہ امام احمد)

toobaafoundation.com

ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مقام حجر میں تھے تو ارشاد فرمایا۔ بغیر گریہ کے اُن لوگوں کے وہاں نہ جاؤ جن پر عذاب ہو چکا ہے۔ اندیشہ ہے کہ تم کو بھی وہی عذاب نہ پہنچ جائے جو ان کو پہنچا تھا۔ (اصل الحدیث مخرج فی الصحیحین)

ابو کبشہؓ کی روایت ہے کہ جب غزوۂ تبوک پر جاتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم حجر میں فروکش ہوئے تو لوگوں نے جلدی جلدی اہلِ حجر کی طرف جانا شروع کیا۔ حضورؐ کو اس کی اطلاع پہنچی تو منادی کرادی الصّلوٰۃ جامعۃٌ سب لوگ جمع ہو گئے۔ حضورؐ اُس وقت ایک بکری کو پکڑے ہوئے تھے اور فرما رہے تھے کہاں جاتے ہو تم ایسی قوم کے ہاں جس پر اللہ کا غضب نازل ہوا۔ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ! ہم لوگ اُن سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔ فرمایا میں تم کو اس سے بھی زیادہ عجیب بات بتاتا ہوں۔ تمہیں میں سے ایک شخص تم کو اُن باتوں سے آگاہ کر رہا ہے جو تم سے پہلے ہو گزری ہیں اور جو تمہارے بعد ہوں گی۔ پس استقامت رکھو اور راستی اختیار کرو۔ اللہ کو تمہارے عذاب کی کچھ پرواہ نہیں۔ عنقریب ایک ایسی قوم ہوگی جو عذاب کو بالکل دفع نہ کرسکے گی۔ (رواہ احمد ولم یخرجہ احد من الستۃ)

حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب مقام حجر سے گزرے تو فرمایا۔ لوگو! معجزات مت مانگو۔ قوم صالحؑ نے معجزہ مانگا تھا تو اونٹنی اس طرف کی راہ سے پانی پینے آتی تھی اور واپس دوسرے نالے سے نکل جاتی تھی۔ قوم ثمود نے اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی اور ناقہ کو قتل کر دیا۔ حالانکہ ناقہ ایک روز پانی پیتی تھی اور ایک روز وہ ناقہ کا دودھ پیتے تھے۔ مگر انھوں نے ناقہ کی کونچیں کاٹ کر مار ڈالا۔ پس اُن کو ایک کڑخت آواز نے پکڑ لیا اور آسمان کے نیچے جو کوئی شخص اُس قوم کا تھا سب کو نیست نابود کر دیا سوائے ایک شخص کے جو اللہ کے حرم میں تھا۔ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ وہ کون تھا! فرمایا ابو رغال لیکن جب وہ حرم سے باہر ہوا تو اس پر بھی وہی عذاب پہنچ گیا جو اس کی قوم پر پہنچا تھا۔ (رواہ احمد باسناد علی شرط المسلم)

مقصودِ بیان

(۱) ناقۂ صالحؑ ایک عظیم الشان معجزہ اور قدرتِ الٰہی کی ایک نشانی تھی جو نہایت واضح تھا۔

(۲) پیغمبروں سے معجزات یعنی وہ امور جو عادتِ انسانی اور عقل بشری کے خلاف معلوم ہوتے ہیں صرزد ہو سکتے ہیں۔

(۳) کسی فرد حیوان کے پیدا ہونے کے لئے نوعی مبدار کی ضرورت نہیں۔ بلکہ جنس کے اختلاف کے باوجود بھی بقدرتِ خدا حیوان ہو سکتا ہے۔

(۴) قوم عاد کے بعد زمین کی حکومت قوم ثمود کے ہاتھ آئی تھی۔

(۵) ایسے کام کرنا جس سے زمین پر فتنہ فساد اور تباہی و بربادی پھیلے قطعاً حرام ہے۔

(۶) کمزور اور ضعیف لوگ سب سے پہلے انبیاء کی تصدیق کرتے ہیں۔ اور بڑے آدمی غرور و تکبر سے عموماً تکذیب پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔

(۷) پیغمبر کی بددعا ضائع نہیں جاتی۔

(۸) انبیاء کے حکم سے سرتابی کرنے والوں کا نتیجہ سوائے تباہی و بربادی کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ وغیرہ

وَلُوطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ

اور ہم نے لوط کو بھیجا جب انھوں نے اپنی قوم سے کہا کیا تم لوگ ایسی بیحیائی کرتے ہو جو تم سے پہلے سارے جہان میں سے کسی نے

الْعٰلَمِيْنَ ۝ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ۭ بَلْ

نہیں کی تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس خواہش نفسانی سے جاتے ہو واقعی

اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ۝ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ

تم حد سے بڑھنے والے لوگ ہو دریا کی قوم کو سوائے اس کے کوئی جواب نہ بن پڑا کہ ان کو اپنی بستی

toobaafoundation.com

مِنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ ○ فَأَنْجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا

سے نکال دو یہ لوگ بڑے پاک صاف بنتے ہیں غرض ہم نے لوط کو اور ان کے گھر والوں کو بچا لیا

امْرَأَتَهُ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ○ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا ۖ فَانْظُرْ

ہاں ان کی بیوی پیچھے رہنے والوں میں سے ہو گئی اور اُن پر پتھروں کا مینہ برسایا پس دیکھو

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ ○

مجرموں کا انجام کیسا ہوا

تفسیر یہ چوتھا قصہ حضرت لوطؑ کا ہے۔ آپ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے بھانجے یا بھتیجے تھے اور حضرت ابراہیمؑ جب ملک بابل سے ہجرت کر کے چلے تھے تو حضرت لوطؑ بھی ہمراہ تھے۔ حضرت لوطؑ کے والد حاران آپ کو بچہ چھوڑ کر مر گئے تھے۔ چنانچہ حاران میں حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ آپ کا بھی قیام ہوا۔ پھر حران سے کوچ کر کے ملک کنعان میں سکم یعنی طرابلس تک آ گئے اور اور بیت ایل کے پاس اپنا ڈیرہ قائم کیا۔ پھر جب یہاں قحط پڑا تو یہ سب مصر کو چلے گئے۔ وہاں پہنچ کر حضرت لوطؑ و حضرت ابراہیمؑ کے پاس مویشی اور نقد مال بہت کچھ جمع ہو گیا تو پھر ملک کنعان کو واپس آ گئے۔ یہاں پہنچ کر حضرت ابراہیمؑ نے حضرت لوطؑ کو دریائے اردن کی ترائی کے ملک کی طرف وہاں کے لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجا کیونکہ اُس وقت حضرت لوطؑ خدا کی طرف سے حضرت ابراہیمؑ کے اتباع میں نبی بنا دیئے گئے تھے۔ آپ نے اردن میں پہنچ کر شہر سدوم علاقہ حمص میں قیام کیا۔ وہاں کے لوگ بُت پرست اور نہایت بدکار تھے۔ لڑکوں سے بدفعلی کا اُن میں رواج تھا۔ راستوں پر اور عام مجلسوں میں ناپاک اور گھنونے کام بے باکانہ کرتے تھے۔

حضرت لوطؑ نے اُن کو وعظ و پند کیا۔ اُن کے فعلِ بد کی بھی مذمت کی اور اس فعل کی ایجاد پر بھی اُن کو ملامت کی اور حق سے تجاوز کرنے کی بُری عادت پر بھی ان کو تنبیہ کی۔ مگر وہ کب ماننے والے تھے۔ آخر نہ مانے نا اہل سدوم کے ساتھ عمورہ صنبیان اور زومر کے لوگ بھی ایسے ہی بدکار تھے یہ تمام بستیاں سدوم کے آس پاس تھیں اور وہاں کے بعض پہاڑوں میں گندھک کی کان تھی۔ جب حضرت لوطؑ ان کی طرف سے مایوس ہو گئے اور بجائے توبہ کے اُن کی سرکشی حد سے بڑھ گئی تو تین فرشتے اول حضرت ابراہیمؑ کے پاس امرد لڑکوں کی شکل میں دوپہر کے وقت، جبکہ وہ خیمہ کے سامنے بیٹھے تھے اندر آئے۔ حضرت ابراہیمؑ ان کی مہمانی کے لئے کچھ روٹیاں اور بچھڑے کا بھنا ہوا گوشت لے کر آئے لیکن انہوں نے کھانے کی طرف ہاتھ بھی نہ بڑھایا۔ حضرت ابراہیمؑ ڈر گئے اور خیال کیا شاید یہ دشمن ہیں۔ کیونکہ اس زمانہ میں مخالف اپنے مخالف کا کھانا نہ کھاتا تھا۔ فرشتوں نے کہا آپ خوف نہ کیجئے ہم خدا کے فرشتے ہیں۔ سدوم کو غارت کرنے آئے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا وہاں تو لوطؑ بھی ہے اور نیک لوگ بھی ہیں۔ فرشتوں نے کہا۔ لوطؑ کی حفاظت کر لی جائے گی اور اگر وہاں پانچ آدمی بھی نیک ہوئے تو ہم غارت نہ کریں گے۔ پھر فرشتے وہاں سے چل دیئے اور شام کے وقت شہر سدوم کے پھاٹک پر حضرت لوطؑ کو ملنے آئے اور کہنے لگے آج رات ہم آپ کے مہمان رہیں گے۔ یہ خبر پا کر شہر کے تمام بوڑھے اور جوان حضرت لوطؑ کے گھر پر چڑھ آئے۔ حضرت لوطؑ سے مہمانوں کی رسوائی نہ دیکھی گئی۔ قوم والوں کی منت کرنے لگے اور بولے اگر تمہیں میری بیٹیاں درکار ہوں تو یہ موجود ہیں ان سے نکاح کر لو۔ مگر میرے مہمانوں کو بے عزت نہ کرو۔ وہ ملعون کب ماننے والے تھے۔ کواڑ توڑنے لگے۔ فرشتوں نے حضرت لوطؑ کو بے حد بدحواس اور نہایت پریشان دیکھا تو اندر کھینچ لیا اور کہہ دیا کہ آپ فکر نہ کریں ہم فرشتے ہیں۔ علی الصبح ہم اس شہر کو غارت کریں گے۔ آپ اپنے گھر والوں کو لے کر رات ہی میں اس شہر سے نکل جائیں۔ پھر فرشتوں نے پر جھاڑے جس سے وہ فسادی اندھے ہو گئے اور لگے

toobaafoundation.com

سرگرداں گھومتے ۔ حضرت لوطؑ اپنے گھر والوں کو لے کر شہر سے نکل گئے ۔ مگر آپ کی بیوی کافرہ تھی، وہ پیچھے رہ گئی اور منہ پھیر پھیر کر اپنی قوم کی تباہی کا معائنہ کرنے لگی سو وہ نمک کا ڈھیر ہو کر رہ گئی ۔ پھر فرشتوں نے شہر کو اُلٹ دیا اور پھر گندھک اور آگ برسائی جس کا دھواں حضرت ابراہیمؑ نے دور سے مشاہدہ کیا ۔ چونکہ یہ بستیاں اُلٹ گئی تھیں اس لئے ان کو مؤتفکات کہا جاتا ہے ۔

تفسیری وضاحت

حضرت لوطؑ نے اپنی قوم کی شناعت عمل ظاہر کرتے ہوئے فرمایا کہ تم ایسی بے حیائی کا کام کرتے ہو جو تم سے پہلے کسی نے نہیں کیا ۔ واقعی ہوا بھی ایسا ہی ۔ قوم لوط سے پہلے کوئی شخص اس عمل سے واقف بھی نہ تھا ۔ امرد پرستی تو بجائے خود رہی کسی کا خیال بھی اس طرف نہ جاتا تھا ۔ پھر حضرت لوطؑ نے نہ یہ کہ صرف اس فعل کے ارتکاب پر ملامت کی بلکہ اس کی ایجاد پر بھی تشنیع کی اور وجہ قباحت بھی ظاہر کر دی کہ یہ بے محل صَرف اور حدِ اعتدال سے تجاوز ہے ۔ یعنی قوت شہوانیہ کی تخلیق کا منشاء تو بقائے نوع اور ازدیادِ نسل ہے اور تم امرد پرستی کرتے ہو جس سے اصل مقصد قطعاً حاصل نہیں ہوتا ۔ گویا تم اصل مقصد سے غافل ہو گئے اور غرض تخلیق سے آگے بڑھ کر شہوت پرست بن گئے ۔ قوم والوں کو جب کوئی جواب نہ بن پڑا تو جاہلانہ جوکہتم پر اُتر آئے اور بطور استہزاء کے کہنے لگے کہ ان کا ہمارے ساتھ گزارا نہ ہوگا یہ پاک لوگ ہیں ۔ لہٰذا ان کو اپنی بستی سے نکال دو ۔ اس لفظ سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ ان کو حضرت لوطؑ کی پاکیزگی اور اپنی گندگی کا اعتراف تھا بلکہ اُن کا مقصود صرف مذاق کرنا تھا ۔

فقہی مسئلہ

شریعتِ اسلامیہ میں لواطت قطعاً حرام ہے ۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس کی سزا یہ ہے کہ مجرم کو بلندی سے نیچے پھینک دیا جائے اور پھر اوپر سے پتھر برسا کر قتل کر دیا جائے ۔ جس طرح کہ قومِ لوطؑ کو سزا دی گئی ۔ بعض آثارِ صحابہ بھی اسی کی تائید کرتے ہیں ۔ امام شافعیؒ کا بھی ایک قول یہی ہے ۔

ابن عباسؓ کی روایت سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو تم قومِ لوط کا فعل کرتے پاؤ تو کرنے والے اور کرانے والے دونوں کو قتل کر دو ۔ (رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ الترمذی واحمد)

امام شافعیؒ کا دوسرا قول ہے کہ لوطی مانند زانی کے ہے ۔ اگر غیر شادی شدہ ہے تو سَو دُرّے لگائے جائیں اور شادی شدہ ہے تو پتھروں سے مار ڈالا جائے ۔ بعض علماء کا قول ہے کہ بہر حال پتھروں سے مار ڈالا جائے خواہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ ۔

رہا عورتوں سے لواطت کا حکم تو یہ بھی بہ اجماع علماء حرام ہے ۔ مگر اس کی کوئی شرعی سزا مقرر نہیں ۔ واللہ اعلم

مقصودِ بیان

قومِ لوط نے دنیا میں سب سے پہلے لواطت کا ارتکاب کیا ۔ حدِ اعتدال سے تجاوز ہر کام میں ممنوع ہے ۔ یہاں تک کہ جبلّی قوتوں کے صَرف میں بھی اعتدال سے ہٹنا ناجائز ہے ۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ لواطت اور جلق وغیرہ بھی حرام قطعی ہے ۔ دونوں اسراف میں داخل ہیں ۔ جاہل جب لاجواب ہو جاتا ہے تو وہ اہلِ حق کا مذاق اُڑانے لگتا ہے ۔ اہلِ حق کو ہمیشہ خدا تعالیٰ نجات دیتا ہے وہ دنیوی عذاب میں بھی ماخوذ نہیں ہوتے ۔ اللہ کی نافرمانی بہر حال تباہی انگیز ہے ۔ زوجۂ نبی ہونا بھی اس سے نہیں بچا سکتا ۔

مجرموں کا انجام ہمیشہ خراب ہوتا ہے ۔ ایک خاص وقت تک ڈھیل ہوتی ہے ۔ جب اتمامِ حجت اور تکمیلِ نصیحت ہو چکتی ہے تو پھر سخت ترین گرفت کر لی جاتی ہے ۔

آیات میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے سرتابی مت کرو ورنہ دنیا میں تباہ ہو جاؤ گے ۔ وغیرہ

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۗ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ

اور اہلِ مدین کے پاس ہم نے اُن کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا شعیبؑ نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی

toobaafoundation.com

إِلٰهٍ غَيْرُهُ ۖ قَدْ جَاءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ ۖ فَأَوْفُوا الْكَيْلَ

معبود نہیں ہے تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے کھلی دلیل آچکی لہٰذا تم ناپ تول

وَالْمِيزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوا

پوری کیا کرو اور لوگوں کو اُن کی (خرید کردہ) اشیاء کم نہ دیا کرو اور ملک میں

فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا ۚ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ

امن و عافیت کے بعد فساد نہ مچاؤ اگر تم ایماندار ہو تو یہ تمہارے لئے

مُؤْمِنِينَ ۝ وَلَا تَقْعُدُوا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوعِدُونَ وَتَصُدُّونَ

بہتر ہے اور ہر راہ (با ارادۂ رہزنی) نہ بیٹھا کرو (کیا) تم ڈراتے دھمکاتے ہو اور راہ خدا سے

عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِهِ وَتَبْغُونَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوا

روکتے ہو اُن کو جو ایمان لائے ہیں اور اُس میں کجی پیدا کرنی چاہتے ہو اور یاد کرو

إِذْ كُنْتُمْ قَلِيلًا فَكَثَّرَكُمْ ۖ وَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

کہ جب تم تھوڑے سے تھے تو اللہ نے تم کو کثیر کر دیا اور دیکھ لو تباہی پھیلانے والوں کا انجام

الْمُفْسِدِينَ ۝ وَإِنْ كَانَ طَائِفَةٌ مِنْكُمْ آمَنُوا بِالَّذِي

کیسا ہوا اگر تم میں کا کوئی گروہ اُس حکم پر ایمان لے آئے جو

أُرْسِلْتُ بِهِ وَطَائِفَةٌ لَمْ يُؤْمِنُوا فَاصْبِرُوا حَتَّىٰ يَحْكُمَ

مجھے دے کر بھیجا گیا ہے اور کوئی گروہ اُس کو نہ مانے تو تم ٹھہرے رہو یہاں تک کہ اللہ ہمارا

اللَّهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ۝

خود فیصلہ کر دے گا وہی بہترین حاکم ہے

تفسیر یہ پانچواں قصہ حضرت شعیبؑ اور ان کی قوم کا بیان فرمایا ہے۔ قومِ شعیب قومِ لوط کے بعد ہوئی ہے۔
مدین حضرت ابراہیمؑ کے ایک صاحبزادہ کا نام ہے جو عرب کے شمالی مغربی حصہ میں ان بیابانوں میں ایک جگہ رہنے لگے تھے جہاں بعد میں حضرت موسیٰؑ قلزم کو عبور کر کے کوہِ سینا اور اس کے اطراف میں بنی اسرائیل کو لئے پھرتے تھے بسکن مدین کا نام بعد میں مدین

toobaafoundation.com

ہوگیا بلکہ مدین کی نسل سے جو قوم بنی اس کا نام بھی مدین ہوگیا۔
اسی قوم میں سے ایک شخص حضرت شعیب بھی تھے۔ شعیب صیفون بن عیفا بن ثابت بن مدین بن ابراہیم کے بیٹے تھے۔ محمد ابن اسحاق کے نزدیک شعیب کے والد کے نام میکائیل بن یشجر بن مدین تھا۔ یہ وہی شعیب ہیں جن کے پاس حضرت موسیٰ مصر سے بھاگ کر آئے تھے اور دس برس اُن کے ہاں رہے اور اُن کی صاحبزادی صفورا سے نکاح کیا اور مصر جاتے وقت کوہ طور کے قریب نبوت پائی۔ حضرت شعیب کو یہودی محاورہ میں (تیسرو) بتقدیم الیاء ثم التاء رثم الراء ثم الواو، کہتے ہیں۔ مدین ہی کے پاس ایک اور گاؤں تھا جس میں بہت گنجان درخت اور گھنی جھاڑیاں تھیں۔ اس کا نام ایکہ تھا۔ قرآن میں جو اصحاب الایکہ اور قرب وجوار کے مقاموں میں مدین کی نسل کے کچھ لوگ آباد تھے۔ مدین اگرچہ اکیلے یہاں آکر رہے تھے۔ لیکن خدا نے اُن کی نسل تھوڑی ہی مدت میں اتنی برکت دی کہ پوری قوم بن گئی اور پورے علاقہ کو گھیر لیا۔ جب تک ارشاد انبیاء کی تاثیر اُن کے قلوب پر رہی اس وقت تک یہ لوگ سیدھے راستہ پر رہے۔ لیکن جب تاثیر ہدایت جاتی رہی تو گمراہ ہوگئے۔ بُت پرستی کرنے لگے اور قسم قسم کی بدکاریاں ان میں پیدا ہوگئیں۔

(۱) ناپ تول میں عموماً کمی کرتے یعنی کسی کو ناپ کر تول کر کوئی چیز دیتے تو کم دیتے۔ جگی لیتے۔
(۲) معاملات میں دغا بازی کرتے۔
(۳) شرک، گناہ، فحش بکواس، ظلم و تعدی اور بیہودگی و سرکشی سے زمین پر فتنہ و فساد مچا رکھا تھا۔
(۴) سر راہ بیٹھ کر لوگوں کو ڈراتے اور دھمکاتے، رہزنی کرتے اور طرح طرح سے تکلیفیں دیتے تھے۔
(۵) لوگوں کو حضرت شعیبؑ کے پاس آنے سے بھی روکتے اور بہکاتے تھے اور کہتے تھے یہ دغا باز مکار فریبی ہے اس کے پاس نہ جاؤ اور جاؤ تو اس کا کہنا نہ ماننا۔
(۶) حضرت شعیبؑ کی تعلیم میں طرح طرح کی نکتہ چینیاں کرتے۔ آپ کی شریعت میں عیب نکالتے اور آپ کی ذات کو متہم کرتے تھے۔

جب اُن کی سرتابی اور گناہگاری حد سے گزر گئی تو وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۗ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ خدا تعالیٰ نے حضرت شعیب کو نبوت دے کر اصلاح و ہدایت کے لئے مقرر فرمایا۔ آپ نے سب سے پہلے انتہائی نرم الفاظ میں توحید الوہیت و ربوبیت کی دعوت دی اور فرمایا:-
قَدْ جَاءَتْكُم بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ لوگو! خدا کی طرف سے اتمام حجت اور تکمیل ہدایت کے لئے برہان واضح یعنی پیغامبر اور اس کی شریعت آچکی۔ تم اپنی بدکاریاں چھوڑ دو۔ اس کے بعد نمبروار بدکاریوں سے ان کو منع کیا۔
اول نمبر کی طرف فَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ سے اشارہ کیا۔
دوسرے نمبر کی طرف وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ سے
تیسرے نمبر کی طرف وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا سے
چوتھے نمبر کی طرف وَلَا تَقْعُدُوا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوعِدُونَ سے
پانچویں نمبر کی طرف وَتَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ سے
چھٹے نمبر کی طرف تَبْغُونَهَا عِوَجًا سے

غرض جو گناہ کی بڑی بڑی باتیں ان کے اندر تھیں اُن سے روکا۔ پھر ان کی ترغیب و ترہیب کا نیا طرز اختیار کیا۔ ترغیب ایمان کے لئے احسانات الٰہی یاد دلائے اور گناہوں کی سزا سے ڈرانے کے لئے گزشتہ مفسدوں کے تباہی انگیز انجام پر غور کرنے کی ہدایت کی اور فرمایا۔ لوگو! وَاذْكُرُوا إِذْ كُنتُمْ قَلِيلًا فَكَثَّرَكُمْ ۖ وَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ۝ یاد کرو کہ تمہارا مورث اعلیٰ مدین تنہا تھا کوئی لاؤ لشکر اپنے ساتھ لے کر نہ آیا تھا۔ پھر تمہاری تعداد بنی مگر شروع میں تعداد تھوڑی تھی۔ پھر کچھ ہی مدت کے بعد خدا نے تم کو بہت کر دیا۔ خدا کے اس احسان کا شکر یہ واجب ہے۔

toobaafoundation.com

اس کے بھیجے ہوئے احکام کی تعمیل ضروری ہے۔ اگر اس کے خلاف کروگے تو گزشتہ مفسدوں کے انجام پر غور کرلو کس طرح ان کو نیست نابود اور تباہ کر دیا گیا۔ تمہارا بھی یہی نتیجہ ہوگا۔

ترغیب و ترہیب کا فائدہ یہی ہو سکتا تھا کہ جو کور باطن ازلی شقی اور فطرت شنیعہ کے حامل تھے ان پر کسی قسم کی تاثیر ممکن نہ تھی اور جو سلیم فطرت رکھتے تھے جن کے دلوں میں نور ایمان ودیعت تھا وہ راہ راست پر آجاتے اور اس طرح دو فریق بن جاتے نیک اور بد اور مقصود یہ تھا کہ کل کو ہدایت ہو اور بدکار نیک بن جائیں اس لیے حضرت شعیبؑ نے تقریر کو بدلتے ہوئے فرمایا کہ:۔

وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِیْۤ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ یُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى یَحْكُمَ اللّٰهُ بَیْنَنَا وَهُوَ خَیْرُ الْحٰكِمِیْنَ ۝ اگر تمہارے دو فریق بن گئے ایک مومن دوسرا کافر، ایک نیک دوسرا بد اور اس طرح میری حقانیت و صداقت کا آخری فیصلہ نہ ہو سکا تو عذاب یقینی آئے گا۔ ذرا ٹھہرے رہو خدا خود حق و باطل اور صدق و کذب کا فیصلہ کر دے گا۔

حضرت شعیب خطیب الانبیاء تھے۔ طرز تقریر آپ کا مدلل اور مؤثر ہوتا تھا، حضور اقدسؐ نے بھی خطیب الانبیاء فرمایا ہے۔ چنانچہ کافروں کو نصیحت کرنے میں بھی آپ کا طرز تقریر اپنے اندر گوناگوں محاسن رکھتا تھا پہلے آپ نے اُن کے عیوب شمار کرائے۔ نرم لہجہ اختیار کیا۔ عیوب سے روکا۔ پھر احسانات الٰہی یاد دلائے۔ پھر گزشتہ نافرمانوں کے انجام بد پر غور کرنے کی ہدایت کی اور آخیر میں عذاب الٰہی سے ڈرایا۔

مقصود بیان ناپ تول کی کمی کرنی، زمین پر فتنہ فساد برپا کرنا اور اسباب تباہی کی اشاعت کرنی، راہ خدا سے لوگوں کو روکنا۔ انبیاء پر اعتراض پردازی کرنی، شریعت انبیاء کی بیہودہ نکتہ چینی کرنی ممنوع ہے۔ احسان الٰہی کو یاد کرنا اور دوسروں کے احوال دیکھ کر عبرت پکڑنا لازم ہے۔ حق و باطل کا فیصلہ آخری خدا کے ہاتھ میں ہے۔ وغیرہ

امام المحدثین حجۃ الاسلام حضرت امام مسلمؒ کی معرکۃ الآرا کتاب کا نادر و نایاب ترجمہ

صحیح مسلم شریف کامل اردو

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی بلند پایہ کتاب صحیح مسلم حدیث کی چھ مستند اور مشہور کتابوں میں صحاح ستہ کے نام سے موسوم ہیں بہت نمایاں اور ممتاز درجہ رکھتی ہے علماء اسلام اور محدثین کا متفقہ فیصلہ ہے کہ قرآن مجید کے بعد صحیح البخاری اور صحیح مسلم دو صحیح ترین کتابیں ہیں اسی لئے ان کو صحیحین کے نام سے یاد کیا جاتا۔

یہ مسلم شریف ایسی کتاب ہے جس کی صحت پر سنی شیعہ اہل حدیث اور اہل تصوف سب ہی متفق ہیں موجودہ زمانے میں مسلمانوں کی بڑی تعداد عربی زبان اور دینی علوم سے ناواقف ہونے کی وجہ سے دینی ضروریات اور اخلاقی تعلیمات سے بے بہرہ ہوتی جارہی ہے اس لئے ضروری معلوم ہوا کہ احادیث رسول کریم اور تعلیمات رحمۃ للعالمین کو صحیح اور عام فہم اردو ترجمہ کے ذریعہ عوام تک پہنچایا جاسکے تاکہ اس نقصان عظیم کی تلافی ہو سکے مکتبہ دار الفرقان دہلی نے اس مقصد کو پیش نظر۔ تجرید بخاری کا اردو ترجمہ حال میں نہایت اہتمام کے ساتھ شائع کیا تھا جس کا پہلا ایڈیشن قریب الختم ہے یہ بات کافی حوصلہ افزا ہے کہ صحیح مسلم شریف کا اردو ترجمہ اسی اہم تبلیغی سلسلہ کی دوسری کڑی ہے اس بے نظیر ترجمہ میں اصل مسلم شریف کی طرح تاجدار دو عالم کے تمام احکام اور ارشادات کو پوری احتیاط کے ساتھ تحریر کیا گیا ہے کسی حدیث کا کوئی جملہ و فقرہ ایسا نہیں ہے جسے ترجمہ میں نظر انداز کیا گیا ہو۔ ترجمہ کی زبان سلیس بامحاورہ اور دلکش ہے کہ معمولی اردو پڑھے لکھے لوگ بھی اس سے پورا فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔ احادیث کا مطلب سمجھنے اور ان کے مطابق عمل کرنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے گی کتاب کے شروع میں تمام احادیث کے ابواب اور عنوانات کی ایک مفصل اور مکمل فہرست بھی شامل ہے جس کی مدد سے ہر مضمون کی حدیث بہت آسانی سے فوراً دیکھی جا سکتی ہے صحیح مسلم شریف کے ابواب کی اجمالی فہرست درج ذیل ہے۔ ان سے آپ کو اس کتاب کی جامعیت اور افادیت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ ان ہی ابواب کے تحت بہت سے اہم عنوانات کے ساتھ سیکڑوں احادیث مبارکہ باسناد صحیح امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے جمع فرمائی ہیں،، وسیم بکڈپو دیوبند ضلع سہارنپور یوپی۔ پندرہ روپے

اردو مجلد علاوہ محصول ڈاک